۳

معارج الدین، پروفیسر سید نواب علی ایم۔اے، مذاق علمی کے ساتھ مذہبی شیفتگی مین ابنای تعلیم جدید مین خاص امتیاز کا حق رکھتے ہین، اس سے پہلے تذکرۃ المصطفی کے نام سے آنحضرت صلعم کی ایک مختصر سیرت لکھ چکے ہین، معارج الدین انکی ایک مسلسل تصنیف کا پہلا ثمرہ ہے، انھون نے ارادہ کیا ہے کہ سائنس اور دیگر مذاہب کے مقابلہ مین وہ ایک جدید علم کلام کی بنیاد ڈالین، زیر تقریظ حصہ ۱۴۰ صفحہ پر تمام ہوتا ہے، سب سے پہلے اس حصہ مین، سائنس کے اصولی مباحث کی بالاختصار تشریح کی گئی ہے، اسکے بعد مصر، ہندوستان، یونان، مذہب بودھ، مجوسیت، یہودیت اور عیسائیت کے عقائد عامہ کی تفصیل ہے، بعد ازین عقائد اسلام کی تشریح اور دیگر مذاہب سے انکا مقابلہ و موازنہ ہے،

کتاب کی کثرت معلومات اور قوت استدلال مین کوئی کلام نہین، لیکن امید ہے کہ دوسرے حصے منطقی ترتیب اور مناسب فصل و وصل اور تسلسل ابواب مین اس سے بہتر ہونگے، اس حصہ کی قیمت عمر ہے، مصنف سے نگروار بروده کیمپ سے ملیگی

۴

حقائق اسلام، مفتی انوار الحق، ایم۔اے ڈائرکٹر تعلیمات بھوپال کی یہ ایک جدید تصنیف ہے، مفتی صاحب نے یہ کتاب ہز ہائنس والیہ عالیہ بھوپال دامہا اللہ بالعز والاجلال کی فرمائش سے ترتیب دی ہے، اسمین اسلام کے عقائد و عبادات و معاملات وغیرہ کی خوبیان عقلی و خطیبانہ دلائل سے ثابت کی ہین، کتاب ۲۴۰ صفحہ پر نہایت اہتمام سے طبع ہوئی ہے قیمت عہ مصنف سے تاج محل بھوپال سے ملیگی

معارج الدین اور حقائق اسلام پڑھکر ایک طرف مسرت ہوتی ہے کہ جدید طبقہ مین بحمد اللہ ایسے اشخاص پیدا ہوگئے ہین جو قابلیت کے ساتھ مذہبی مسائل پر قلم اٹھا سکتے ہین لیکن یہ دیکھکر رونے کو جی چاہتا ہے کہ علماے کرام کی نافرض شناسی اب تک بدستور قائم ہے یہ کام تو ان کے کرنیکے تھے،

۵

مکاتیب شبلی، مولانا شبلی نعمانی مرحوم کے ان خطوط و مکاتیب کا مجموعہ ہے جو مختلف اوقات مین اپنے عزیزون اور دوستون کے نام انھون نے لکھے یہ مجموعہ ادبی، مذہبی، علمی، اصلاحی خیالات و معلومات کا ذخیرہ ہے، طبع و کاغذ اعلی ضخامت ۴۲۰ صفحہ قیمت عہ، دفتر معارف سے ملیگی،

مجلد اول	ماہ شوال ۱۳۳۴ھ مطابق اگست ۱۹۱۶ء	عدد دوم

فہرس مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

معارف کے اعلان نامہ کے جواب مین ایک صاحب بانکی پور سے تحریر فرماتے ہین،

وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ،

چونکہ آپ اور آپکی جماعت "مولانا ابوالکلام **آزاد**" رحمۃ اللہ علیہ" کی مخالف ہی اور انکی عیب جوئی کیا کرتی ہی، اسلئے مین آپکے پرچہ کا خریدار ہونا کبھی منظور نہین کرسکتا، زیادہ والسلام، آیندہ سے احتیاط"

اس آزادی اور حریت کے شیدائی نے اپنا واضح نام لکھنے کی بجائے اپنے مرموز دستخط پر قناعت کی ہی، نام کا ایک جز شاید محی ہی، عجب نہین کہ بیرسٹر بھی ہون! مولوی ابوالکلام آزاد سے شاید انکو اسوقت سے واقفیت ہو جب وہ "مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ" ہین، لیکن مجھکو انکی خدمت مین اسوقت سے نیاز ہی جب وہ ابوالکلام آزاد بھی نہ تھے، بہتر تو یہ تھا کہ مین اپنے اور اُنکے تعلقات کی توضیح کیلئے انکے آخرین خطوط شائع کردیتا لیکن اس سے بہتر یہ ہی کہ ہر نادان سے الجھ جانا سلامت روی نہین، اور اگر بالفرض یہ سچ بھی ہو تو یہ کس آئین حریت کا اقتضا ہی کہ زید عمر کا اگر مخالف ہی تو اُسکے انتساب کی ہر نیک و بد شے ممنوع ہوجائے، عصبیت رائے درحقیقت اس نخل بارآور کا ثمر ملعون ہی،

سُنا ہی کہ علی گڈہ کالج کے ایک نیم یافتہ نوجوان جنکی رگون مین سیادت **ہاشمی** خون اب تک

جوش مارتا ہی، اسی قسم کی غلط فہمی وہ بھی لوگون مین پھیلا رہے ہین، کوئی ان دور دستانِ نزدیک سے

پوچھے کہ اگر اہل خلوت مین باہم تخالف آرا بھی ہو تو بیگانہ وشون کو جھانک تاک اور خلل اندازی کی کیا

ضرورت ہی، مولانا ابوالکلام کا حقیقی قدرشناس ہمسے زیادہ کوئی نہو گا، لوگون نے سُنا ہی اور ہم نے دیکھا ہی،

تاہم ہم اُنکو انسان ہی سمجھتے ہین، ع

گر فرق مراتب نکنی زندیقی

ہم نے بحمداللہ کہ اُس بزرگ کے آغوش مین تربیت پائی ہی جو ہندوستان کے فرزندانِ حریت کا

آدم تھا، اور اُن دوستون کی صحبت اُٹھائی ہی جو اس فن شریف کے اصحابِ درس و تعلیم ہین، نیز

اُن بزرگون کی خدمت مین بھی نیاز حاصل رہا ہی جنکو عُبّادِ استبداد اور پرستارانِ مصلحت کہا جاتا ہی،

رہا ہون رند بھی اے شیخ پارسا بھی ہین   مری نگاہ مین ہین رند و پارسا اک ایک

نہ تنہا سب و شتم اور طعن و تعریض حُریّت و روشنضمیری ہی اور نہ صرف قومی خدمتگزارونکی خردہ گیری

کوئی مذہب کا عمل اکبر ہی، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اسلام کا فرض اول ہی، لیکن فریضۂ اولین عمل ذاتی ہی

صرف دوسرون کو ٹوکنا ہی حق نہین ہی، حق یہ ہی کہ تم خود بھی کرو اور دوسرون کو بھی دعوت دو، ورنہ

حافظ کا طعن سُنا ہوگا، ع

توبہ فرمایان چرا خود توبہ کمتر می کنند

ملک مین قدیم و جدید تعلیم یافتون کی دو برابر کی جماعتین قائم ہین، ہمارے کام کا پروگرام

ایسا تھا کہ ان دونون کے درمیان سِلسلۂ اتصال کا کام دیتا، لیکن کبھی کبھی ہمکو عجیب و غریب مشکلات کا

سامنا کرنا پڑتا ہی، اور وہی وقت ہوتا ہی جب ہمارے کانون مین یہ آواز آتی ہی،

دو دل بودن درین رہ سخت ترعیب است سالک را   خجل ہستم ز کفرِ خود کہ دارد بوئے ایمان ہم

فریق اول کہتا ہی کہ علوم یورپ کی آمیزش سے تم علوم قدیم کے حرم اقدس کی توہین کرتے ہو،

جدید فرقہ الزام دیتا ہی کہ پُرانے اور فرسودہ علوم کو زندہ کرکے تم پھر ہمارے پاؤن مین وہی زنجیرین

ڈالنا چاہتے ہو جنکو پچاس برس کی محنت مین ہم نے بڑی مشکل سے کاٹا ہی، حقیقتِ حال پر نظر ہو

تو دونون پر اپنی غلطی آپ منکشف ہو جائے، یورپ کے علوم، قدیم علوم کی معصومیت مین رخنہ انداز نہین،

بلکہ اُسکے حُسن و جمال کی افزائش کا سامان ہین، دوسرے فریق سے کہنا ہی کہ اسلاف کے متروکہ علوم کو

ذرا صیقل کرکے دیکھو زنجیرِ پا نہین، تمہارے پائے کمال کا خلخال ہی، ورنہ سچ یہ ہی کہ یورپ کے دیس مین

تم غریب و نادار والدین کی وہ نادان بیٹی ہو جو صرف سسرال کی دولت پر نازان ہی،

اصل یہ ہی کہ ہمارے ملک و قوم کی مختلف ضرورتین ہین، کوئی کسی ضرورت کو بے سود نہین کہسکتا،

ہمکو طبیعات، فلسفہ، اور علم النفس کی بھی ضرورت ہی اور فقہ و اصول و تفسیر کی بھی، اگر صرف اپنے

مذاق کے مطابق تم دُنیا کا فیصلہ کرتے ہو تو اسکے یہ معنی ہین کہ ایک **طبیعی** کے نزدیک دلدادۂ نفسیات

اتنا ہی احمق ہی جسقدر ایک خالص **فلسفی** کی نگاہ مین ایک منقولی، ہمین دونون کی ضرورت کا

اعتراف ہی، اور ترمیم کے ساتھ ہم دونون کے طالب ہین!

کارِ مستوری و شاہد طلبی ہر دو خوش است   تنگرایزد کہ ہمین خواہم و ہم آن خواہم

لوگون کو یاد ہو گا کہ **الندوہ** کی ابتدائی جلدون مین ہمارے دوست اور ہمدرس مولوی

ضیاء الحسن صاحب علوی کے مضامین چھپا کرتے تھے، ندوہ سے فراغت کے بعد انھون نے

انگریزی تعلیم کی تحصیل شروع کی، اور امسال اُنھون نے علی گڈھ کالج سے ایم-اے کا امتحان پاس کیا اور اب یہ بے مبالغہ کہا جاسکتا ہی کہ وہ مشرقی و مغربی علوم کے مجمع البحرین ہین، اور یہی امر ندوہ کا منتہاے خیال ہی، اس سے زیادہ خوشی کی بات یہ ہی کہ گورنمنٹ نے ایک گرانقدر ماہوار پر اُن کو صوبہاے متحدہ کے عربی مدارس کا انسپکٹر مقرر کیا ہی، اب خدا کے فضل سے وہ وقت آتا جاتا ہی کہ ندوہ کے تخیلات عملاً وسعت حاصل کرین، آہ! اگر استاذ مرحوم آج زندہ ہوتے تو انکو اپنے فرزندان معنوی کی ان کامیابیون کو دیکھکر بے انتہا مسرت ہوتی،

اشاعت اسلام کی ضرورت سے کسکو انکار ہوسکتا ہی؟ لیکن مسلمانون کا قومی خاصہ یہ ہی کہ انکی قوت کا اشتعال صرف وقت اور موقع کے تاثر سے ہوتا ہی، ایک عربی شاعر اپنے ممدوح کی تعریف مین کہتا ہی

اذا ایقظتک حروب العدیٰ فنبّہ لھا عمراً ثم نم

جب دشمنون کی لڑائیان تجھے بیدار کرین تو انکے لیے عمر کو جگا دے پھر تو سو جا

چند سال گذرے کہ آریون کی ہماہمی پر تمام ہندوستان اشاعت اسلام کے نعرون سے گونج اٹھا، ندوہ مین مجلس اشاعت قائم ہوئی، دلی مین ہدایۃ الاسلام ہوئی، علی گڈھ مین بھی ایک مجلس ترتیب پائی، اور بھی چھوٹے چھوٹے مقامات پر پہلوانون کے الگ الگ دنگل تیار ہوئے، لیکن ادہر دشمنون مین سکون کا پیدا ہونا تھا کہ ہم پھر بستر راحت پر دراز تھے،

ہم نے اشاعت اسلام کی تجویز پر کافی غور کیا ہی اور آخر اس نتیجہ تک پہونچے ہین کہ ہمکو ہر اسکیم مین "آل انڈیا" کا تخیل چھوڑ دینا چاہیے، ہم سمندر مین جُنبش پیدا کرنا چاہتے ہین اور وہ مستحیل ہی، سمندر کو نہرون اور نالون مین تقسیم کرلینا چاہیے، عین ہمارے خیال کے مطابق پنجاب مین مجلس اشاعت اسلام قائم ہوئی ہی آیندہ نمبر مین ہم اپنے خیالات مفصل اور خاتمۃ البحث کے طور پر عرض کرنا چاہتے ہین،

مقالات

قرآن مجید پر تاریخی اعتراضات

آزر

آج مدارس اور خانقاہون مین غوغا ہی کہ سائنس نے مذہب کے ایوان مین تزلزل ڈالدیا ہی لیکن شاید یہ خبر نہ ہو کہ نہ صرف سائنس اور علوم عقلی کی موجون نے زورق ایمان کو تلاطم مین مبتلا کر رکھا ہی، بلکہ یورپ کا ہر علم و فن منافع عامہ کے ساتھ کچھ نہ کچھ اپنی تہ مین زہر کی آمیزش ضرور رکھتا ہی، تاریخ اب سے پہلے ایک معصوم علم تھا لیکن اب وہ ہر قسم کے جرائم کا مجموعہ ہوگئی ہی،

تاریخ کی اب دو قسمین ہوگئی ہین، جدید تاریخ (ماڈرن ہسٹری) اور قدیم تاریخ (اینشنٹ ہسٹری) قرآن مجید مین جن اشخاص اور قومون کا ذکر ہی، انکا تعلق زیادہ تر دنیا کی قدیم تاریخ سے ہی، قدیم تاریخ کا ابتدائی حصہ عموماً افسانۂ مذہبی (میتھالوجی) سمجھا جاتا ہی، قرآن مین قوم نوح، عاد، ثمود کے متعلق جو واقعات عبرت انگیز مذکور ہین، عموماً اب انکو یورپ مین علماے تاریخ میتھالوجی اور افسانہ رکھن سمجھتے ہین، ہم نے اس موضوع پر ارض القرآن کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی ہی جسمین بدلائل تاریخ و آثار ان اقوام کی حقیقت و اصلیت اور قرآن مین انکے متعلق جو کچھ مذکور ہی، یورپ کے مسلّم تحقیقات اور علم الآثار سے اس کا ثبوت بہم پہنچایا ہی، کتاب زیر طبع ہی،

اس مضمون مین اسی قسم کے ایک اور سلسلۂ اعتراضات کی طرف ہمکو توجہ کرنا ہے، یورپ کے علماے مشرقیات، اور مسیحیت کے حامیان دین نے قرآن مجید کے متعلق ایک عجیب و غریب

اصول موضوعہ بنا لیا ہی، جنکے مطابق قرآن کا کوئی نقطہ بھی اپنی جگہ پر صحیح نہین، اصول مذکورہ یہ ہی کہ قرآن کا ہر واقعہ تاریخی یا تو کسی دوسری مذہبی کتاب مین مذکور ہی یا وہ اس سے خاموش ہی، صورت اول مین قرآن کا سرقہ ثابت، اور وہ حکایت اس سے ماخوذ، اور اگر وہ بدقسمتی سے تنہا قرآن کی روایت ہو تو وہ افسانہ محض اور میتھالوجی، لیکن اس اصول کے مطابق تو دنیا کی کوئی مذہبی تاریخ حملۂ ایراد سے محفوظ نہین،

زمن دل زدہ از دست تو خونین جگرم　　　از غم عشق تو پرخون جگرے نیست کہ نیست

انہین اصناف اعتراضات مین سے **قرآن مجید** کی تاریخی غلطیون (نعوذ باللہ) کا مسئلہ بھی ہی، ان غلطیون کا مدار زیادہ تر چند نامون کا توراۃ و انجیل اور قرآن مین اختلاف ہی، سب سے پہلا سوال یہ ہی کہ ان اختلافات کے موقع پر توراۃ و انجیل کو صحت کا معیار قرار دیا گیا ہی، حالانکہ تاریخ جس بلند آہنگی سے اس دعوی کی تکذیب کرتی ہی، شاید کسی اور صحیفۂ آسمانی کو وہ عزت نصیب نہو، بہرحال حریف کے مسلمات کو مانکر بھی کیا اسلام کی صفِ دفاعی مین ان گوشون سے کوئی رخنہ پڑ سکتا ہے؟

قرآن مجید مین حضرت ابراہیم کے باپ کا نام آزر مذکور ہی،

اذ قال ابراهیم لابیه آزر (انعام)　　　ابراہیم نے جب اپنے باپ آزر سے کہا،

بائبل مین **تارح** اور **ترح** مذکور ہی، اس اختلاف نے بہت سے علمی جاہلون کے لئے اعتراض کا موقع پیدا کر دیا ہی، سب سے اول یہ جاننا چاہئے کہ توراۃ اور قرآن مین کم از کم دو ہزار برس کا فصل ہی، اصل توراۃ کی زبان عبری تھی، یہودیون کے سیاسی انقلابات کے ساتھ انکے مذہب کی زبان بھی بدلتی رہی، موجودہ عبرانی توراۃ اصل عبری نہین، آرامی یا یونانی کا ترجمہ ہی، ان حالات کے ساتھ اس فصل زمانہ کے باوجود اس اختلاف السنہ کے الٹ پھیر مین

اگر نام مختلف قومون اور زبانون مین کچھ سے کچھ ہو جائین تو کیا کوئی محل اعتراض ہی، انگریزی بائبل کے نامون کا تلفظ بالکل یونانی اور لاطینی ہی، جو اصل عبرانی سے بمراحل دور ہی، لیکن کیا یہ اختلاف حرف گیری کا مرکز بن سکتا ہی؟

حکمائے اسلام پر ابھی دس صدیان بھی نہین گذری ہین، عربی تصنیفات کے تراجم کے ذریعہ سے انکا نام مدت تک یورپ کے ایک ایک طالب العلم کی زبان پر رہا ہی، ابو علی بن سینا ابوالقاسم زہراوی، ابن رشد، ابن ہثیم کو ہم سب جانتے ہین لیکن اوِسنا، البقاسیس اوِرس، الہزین کو ہم مین سے کون جانتا ہی؟ اور یہ کون تسلیم کریگا کہ یہ مشرقی فلاسفر کے عربی نام ہین، **مسیح** یورپ کا خدا ہی، تاہم اس کا جو نام یورپ کی زبانون مین مستعمل ہی وہ اصل سے کہان تک مطابق ہی؟ اصل عبری نام "یہشوع" ہے، جو مخفف ہو کر "یشوع" ہو گیا ہی، یونانی مین یونانی طریق تلفظ پر "جیسُوس" ہو گیا، لاطینی مین یہ صرف "جیزس" رہ گیا، اور اب تمام یورپ مین یہی حضرت مسیح کا نام ہی، **اکبر** کے زمانہ مین جب پرتگالی پادریون نے انجیل کا فارسی مین ترجمہ کیا تو جیزس ژژو ہو گیا، ع

اے نام تو ژژو کرستو

یہ مغربی انقلابات ہین، عرب مین بھی نام **عیسیٰ** کی شکل مین بدل گیا تھا، سوال یہ ہی کہ یسوع جیسوس جیزس، ژژو، اور پھر عیسیٰ کیا ایک ہی چیز ہی، اور ایک ہی شخصیت کے نام ہین، مسیح کے استاد کا نام عبرانی مین یحنا، لاطینی مین جان اور عربی مین یحیٰی ہی، کیا یحیٰی، یوحنا اور جان تین چیزین ہین، اسیطرح تمام عبرانی پیغمبرون کے نامون کا مختلف زبانون مین یہی حال ہی،

اس اعتراض سے ہمارے مفسرین بھی واقف تھے، امام طبری، قاضی بیضاوی، زمخشری اور رازی نے اسکے مختلف جوابات دیئے ہین، ان جوابات کا تمامتر دار مدار **سدی** اور **مجاہد** کے

اقوال ہین، جنکی تفصیل یہ ہی،

(۱) **آزر**، حضرت ابراہیم کے باپ تارح کا دوسرا نام تھا جسطرح حضرت یعقوب کا دوسرا نام اسرائیل تھا،

(۲) آزر، تارح کا نام نہین لقب یا وصف تھا،

(۳) آزر، تارح کے بت کا نام تھا،

ان جوابات کا دوسرا اور تیسرا نمبر تقریباً صحیح ہی، تارح بابل کا باشندہ تھا، ایرانی مذہب ایرانی زبان، ایرانی حکومت اسی بابل کی یادگار ہی اور خود اہل عجم کو اس کا دعوی ہی، **آزر** قدیم ایرانی زبان مین آگ کو کہتے ہین، آگ ستارۂ مریخ کا مظہر ہی، اس بنا پر مریخ کو بھی آزر کہتے ہین، آگ اور ستارۂ مریخ ایرانیون کا مسجود ہی، اس سے ظاہر ہوتا ہی کہ بابل کے قدیم بت پرستون مین بھی اسکی پرستش جاری ہوگی، اور اسی سے منتقل ہوکر **آذرگشسپ** ایک فرشتہ موکل کا نام قرار پایا، عجب نہین اگر قدیم بابل مین مُوبد یعنی پرستار آتشخانہ کا آزر کے انتساب سے کوئی نام یا لقب قرار پایا ہو اور عربی مین آکر وہ صرف آزر رہ گیا ہو،

ہرحال یہ قیاس ہی، اب اسکے متعلق ایک اور تازہ تحقیق پیش نظر ہی، اصل عبرانی توراۃ مین یہ نام ترح ہی، ترگوم (توراۃ کے ارامی ترجمہ مین "تارح" "اوز تارح" ہی، تالمود مین جو یہودیون کے ان حدیث کا درجہ رکھتی ہی **زارح** ہی[۱]، بائبل کا ایک نہایت قدیم ترجمہ عربی مین اصل عبرانی سے پندرہوین صدی مین رومہ مین ہوا تھا، اسکے بعد وہی ترجمہ دوبارہ انگلینڈ سے شائع ہوا، اس ترجمہ مین لوقا کی انجیل مین (نسب نامۂ مسیح) **زارا** ہی، ہر زبان مین اجنبی الفاظ کو اپنے ذخیرہ لغت مین ضم کرنے کے لئے اسکو صورتاً اور وزناً اپنے الفاظ کے مطابق کرنا پڑتا ہی، اسی کا نام تعریب و تفریس وغیرہ ہی، اردو مین انگریزی کے سیکڑون الفاظ مستعمل ہین، اُن مین سے کن مین اب

[۱] انسائکلوپیڈیا آف اسلام اور جوئش انسائکلوپیڈیا، لفظ ابراہیم،

انگریزی لب و لہجہ باقی ہی، عربی زبان مین فارسی، یونانی، لاطینی وغیرہ کے ہزارون الفاظ آکر مل گئے ہین، مگر اس اختلاط اور دفع بیگانگی کے لئے اپنی اصلی ہیئت چھوڑ کر انکو پہلے ٹھیٹھ عرب بن جانا پڑا ہے، موسٰی دراصل موشے ہی، عیسٰی یشوع ہی، یحیٰی یوحنا ہی، ایوب، اوب ہی، یونس، یوناہ ہی اسطرح زارح اور زارا عربی وزن و تلفظ مین **آزر** ہوگیا ہی،

آزر کے متعلق قرآن مجید مین مذکور ہی کہ وہ بت پرست تھا، تفسیرون مین ہی کہ بت تراشی اس کا پیشہ تھا، حضرت ابراہیم نے جس بتخانہ کو ویران کیا تھا وہ خود آزر کا تھا، لیکن توراۃ کی سفر تکوین مین بلکہ موسیٰ کی پانچون کتابون مین سے کسی مین بھی، جہان آزر کا ذکر ہی، ان واقعات کا مطلق ذکر نہین اس بنا پر کوتاہ نظرون کے لئے اعتراض کا موقع ہی،

سب سے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ قرآن مجید مین صرف اسیقدر مذکور ہی کہ آزر اور آزر کا خاندان بت پرست تھا، آزر کی بت تراشی کا ذکر قرآن مین مطلق نہین ہی اس واقعہ کے متعلق قرآن کی حسب ذیل آیتین ہین،

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ آزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً (انعام)	جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیا تم بتون کو خدا ٹھہراتے ہو؟

اس آیت مین صرف آزر کا ذکر ہی لیکن دوسری آیتون مین خاندان کا ذکر بھی ہی،

اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ (انبیاء)	جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ کیا یہ مورتین ہین جنکو تم گھیرے بیٹھے رہتے ہو،

ایک اور آیت مین یہ تصریح ہی،

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ، اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ	اور ابراہیم جب اسنے اپنی قوم سے کہا خدا کو پوجو اور اس سے ڈرا کرو اگر تم کو علم ہو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے

مِن دُونِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا، (عنکبوت) | تم خدا کو چھوڑ کر بتون کو پوجتے ہو اور جھوٹی بات گھڑتے ہو،

اس امر کا ثبوت کہ آزر اور آزر کی قوم بت پرست تھی، دو طریقہ سے بہم پہنچایا جا سکتا ہے، توراۃ کے دوسرے صحیفون مین جو معترضین کے نزدیک صحت مین، موسیٰ کی پانچ کتابون کے برابر ہی، اور بائبل یعنی کتب الٰہی کا جزو ہی مذکور ہو، دوسری صورت یہ ہی کہ جس ملک مین یہ سکونت پذیر تھے، وہان کی مذہبی تاریخ سند مین پیش کیجائے،

آزر کا خاندان، نہر (فرات) پار (یشوع ۲۴-۲) کلدانیون کے ملک (اُور کسدیم) مین رہتا تھا (تکوین ۱۱-۱) کلدانی ستارہ پرست تھے، ستارون کے نام کا ہیکل بناتے تھے، اُن مین ستارون کے خیالی بت نصب کرتے تھے، اُن پر نذرین چڑہائی جاتی تھین، قربانیان کی جاتی تھین، دانیال کے زمانہ مین جو غالباً مسیح سے چھ سو برس پہلے تھے، اور جب کلدانیون مین نبوخذنذر (بخت نصر) کا خاندان فرمانروا تھا، اسی قسم کی پرستش جاری تھی، سونے کے بت ہوتے تھے، انکو لوگ سجدہ کرتے تھے، (دانیال ۳-۱۱) علم الآثار کی روشنی نے اس ملک کے تمام مذہبی رسوم، بتون کے نام، پرستش گاہین، ایک ایک چیز آئینہ کردی ہی، جسکو زیادہ تفصیل منظور ہو وہ انسائکلوپیڈیا آف ریلیجنس اینڈ ایتھکس مین لفظ بلونیا (بابل) دیکھے،

حران و بابل مین اور خود اسی خاندان مین حضرت ابراہیم کے بعد بھی بت پرستی کا اسقدر رواج تھا کہ حضرت ابراہیم کے بھائی کا گھرانا بت پوجتا تھا، حضرت یعقوب جو حضرت ابراہیم کی دوسری پشت مین تھے یعنی پوتے تھے، جب کنعان (شام) کے ملک سے حران (بابل) مین اپنے خاندان مین اپنے ماموں کی لڑکی سے بیاہ کرنے گئے تو یہ بت ایسی نادر چیز تھی کہ صاحبزادی جب بیاہ کر گھر سے رخصت ہوئین تو باپ کے بت بھی چپکے سے چرا لائین (تکوین ۳۱-۱۹-۳۴) ایسی بیش قیمت چیز کے ہات سے چلے جانے پر باپ سے صبر نہو سکا، بیٹی اور داماد کے تعاقب مین

گھا لیکر دوڑے، آخر صلح ہوئی، حضرت یعقوب کو بیت ایل کے قریب پہونچکر جب ان بتون کا حال معلوم ہوا تو ان سب کو خیمہ کے باہر پھینکوا دیا (تکوین ۳۵-۲)

اب ان دُور دُور کے استدلالات کو چھوڑ کر ہم خود تورات کے اُس سفر کا حوالہ دیتے ہین، جو حضرت موسیٰ کے خلیفۂ اول یوشع کا نتیجۂ الہام ہی، حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد سیکم کے مقام مین بنی اسرائیل کے سامنے جو سب سے پہلا خطبۂ خلافت اُنھون نے دیا ہی اُسمین وہ کہتے ہین

تمہارے باپ دادے، تارح (آزر) ابراہیم کا باپ، اور ناحور (حضرت ابراہیم کے دادا کا نام)
قدیم زمانہ مین، نہر (فرات) کے پار رہتے تھے اور غیر معبودون کی بندگی کرتے تھے، (۲۴-۲)

کیا ہمارے دوستون کو اس مقدمہ مین اس سے بھی واضح تر شہادت مطلوب ہی؟

تفسیر کی کتابون مین آزر کے متعلق مذکور ہی کہ وہ بت بناکر بیچا کرتا تھا، ایک دفعہ وہ حضرت ابراہیم کو دکان مین بٹھا کر کسی ضرورت سے باہر گیا، اتنے مین ایک گاہک آیا، حضرت ابراہیم نے اسکو توحید کی دعوت دی اور بت پرستی کے معائب بیان کئے اور دکان مین جتنے بت اور دیوتاؤن کے مجسمے بنے ہوئے رکھے تھے سب توڑ پھوڑ کر رکھدیئے، یہ واقعہ اس سے بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ تالمود مین مذکور ہی، قران مجید مین صرف حضرت ابراہیم کی بت شکنی کا ذکر ہی، تالمود کی تفصیل جزئیات سے وہ خالی ہی اور اسلئے ہمکو اُسکے لئے مزید ثبوت بہم پہونچانیکی ضرورت نہین،

حجۃ الملۃ والدین حضرت علامہ شبلی نعمانی تغمدہ اللہ برحمتہ

المتوفی ۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء

اکثر حضرات ہم سے علامۂ مرحوم کے حالات زندگی کے طالب ہین، ہمارا سٹوڈنٹس کانفرنس نے علامۂ مرحوم پر سب سے بہتر مضمون نگار کے لئے انعام مقرر کیا، سوانح و حالات کیلئے اکثر اشخاص کے خطوط آئے ہین بطول لاالف توجب لکھی جائیگی لکھی جائیگی، اسوقت اس مختصر رسالہ پر قناعت کرتے ہین کہ منتظر احباب کو زحمت انتظار سے کسیقدر نجات مل سکے، اس مضمون سے پنجاب کے ان بعض اخبارات کی تحریرون کی تصحیح بھی ہوجائیگی، جو حادثۂ وفات کی تقریب سے مولانائے مرحوم کے سوانح زندگی کے متعلق اُنھون نے لکھی ہین،

———※———

اسلام کا گوہر بار بادل ایک ہزار سال سے برابر ہندوستان کی اقلیم پر مصروف بارش ہی، کتنی بار بادل سحاب نیسان بنکر اُٹھا، اور اس عجائب زار ہند کا دامن لعل و گہر سے بھر گیا، اسی طرح کا ایک ابر خون کی بارش برساتا ہوا ۱۸۵۷ء مین تمام ملک پر چھاگیا، ہر جگہ خون برسا، لیکن کہین کہین خون کے لوتھڑون کی بجائے سرخ یاقوت برسے، جن مین سے ایک کو قدرت نے **شبلی** کے نام سے موسوم کیا،

ہندوستان کی سیر حاصل زمین نے فقہ و حدیث مین اصغانی، علی متقی، شیخ عبدالحق، کلام و اسرار شریعت مین بحر العلوم، اور شاہ ولی اللہ، ادب و معانی مین عبدالمقتدر، ملک العلماء، اور ملا محمود، فلسفہ و منطق مین ملا نظام الدین، اور ملا محب اللہ، ادب و شاعری مین مسعود سلمان، خسرو اور فیضی، تاریخ و خبر مین، برنی، ابوالفضل، اور آزاد بلگرامی کو پیدا کیا، لیکن اُسکے آغوش کا آخری فرزند (شبلی) وہ تھا جو **عبدالحق** بھی تھا اور شاہ **ولی اللہ** بھی، ملا محمود بھی تھا اور **فیضی** بھی، **محب اللہ** بھی اور **آزاد** بھی، اور کم از کم

وہ یگانہ انفراداً ان مین سے اکثر کے برابر اور مجموعاً ان مین سے اکثر سے بہتر تھا،

اسلام نے اپنی تیرہ صدیون مین ہر آن یہ ثبوت دیا ہی کہ اُسکی کیاریان ہر موسم مین نیا پھول کھلا سکتی ہین، اور اُسکے دنگل سے ہر میدان کے لئے نئے پہلوان پیدا ہوسکتے ہین، عہد اول سے اس وقت تک ہر قرن کی تاریخ اس دعوے کی بہترین مثال ہی، اس نے عقل و نقل کی پہلی ٹکر کھائی تو **ابن عطا** اور **علاف** پیدا کیا اور پھر ہر دور مین **ابن فورک**، **غزالی**، **شیخ الاشراق**، **ابن حزم**، **ابن رشد**، **رازی**، **ابن تیمیہ**، **ابن قیم**، **قاضی عضد**، **احمد سرہندی**، شاہ **ولی اللہ** اور **بحر العلوم**، اپنی خاک سے پیدا کیا، ناممکن تھا کہ اس قرن جدید مین اس موسم کے مناسب حال، کوئی نخل تازہ بر آور نہوتا اور اس میدان کے لائق کوئی پہلوان دنگل مین نہ اُترتا، اُنیسوین صدی کا مطلع، خورشید اسلام کا مغرب ہی، کیا کیا موتی تھے جو اس تاریکی مین ہم نے گم کئے، اور کیا کیا نوادر تھے جو اس پردۂ ظلمات مین چھپ گئے، لیکن صدی کا نصف شب ۱۸۵۷ء تھا کہ مطلع سحر سے چند ستارے نمودار ہوئے،

عصر انقلاب | دنیائے اسلام اس دوران ایام مین ایک عجیب انقلاب کے خطرناک دور سے گذر رہی تھی، قدیم و جدید نظامات علم و عمل باہم متصادم تھے اور یہ عالم تھا کہ دوسری صدی کی ضروریات جو یونان و ایران کے تصادم سے پیدا ہوئی تھین، یورپ کے تصادم سے دفعۃً پیدا ہوگئین، لیکن اس دور ماضی مین اسلام کا خزانہ جسقدر زر و جواہر سے مالامال تھا اسی قدر اس جنس کا یہان کال تھا، ناچار گوشہ نشین گداگرون کو جو جوش دین سے لبریز تھے، اُن مہمات کے لئے کمربستہ ہونا پڑا جو صرف **منصور و مہدی و مامون** کے بس کی چیزین تھین، جیب و آستین پُر نہ تھی لیکن قلب و سینہ اُن زر و جواہر کا مخزن تھا جو **مجدد دین ملت** کے اعلان شہنشاہی کے لئے ضروری ہی،

جدید عقل و فلسفہ و تمدن کا حملہ متواتر دنیائے اسلام کے ہر گوشہ پر تھا، لاجرم صدائے

اِنَّا لَہٗ لَحٰافِظُوْن ۵ کے مطابق ہر گوشہ سے علمائے ملت لبیک گو دوڑے، ترکستان، روس، ایران، قسطنطنیہ، عراق، شام، مصر، تونس، الجزائر، مراکش، ہر جگہ مصلحین و مجددین نے ظہور کیا، ہندوستان کی اسلامی آبادی تمام ممالک اسلام کی آبادی سے عظیم التعداد تھی، ضرور تھا اس طائفہ مقدس کا وجود یہان عظیم العدد اور عظیم المرتبہ بھی ہو،

یہی سبب ہی کہ صداے اصلاح و تجدید جس سرعت انظام اور بلند آہنگی کے ساتھ یہان اُٹھی دوسرے ممالک مین نہین اُٹھی، اور جو فروغ و تکمیل یہان میسر ہوئی دیگر بلاد اسلامیہ مین نصیب نہوئی،

ہندوستان کا دورِ اصلاح | ہندوستان کا دورِ اصلاح جن افراد پر مشتمل تھا ان کا سر عسکر یقیناً وہی تھا جسکے بوڑھے عمر دن مین صد کرامات پنہان تھی" اور "جسکی ریش سپید کی درازی سحر کی چھٹکی ہوئی چاندنی تھی" سر سید احمد خان، نواب محسن الملک، مولوی چراغ علی صاحب، مولانا عنایت رسول صاحب چریاکوٹی، مولوی کرامت حسین جونپوری (کلکتہ) مولوی نذیر احمد، مولانا الطاف حسین حالی، اور سب سے آخر خاتمۃ المصلحین حجۃ الملۃ والدین شمس العلما مولانا **شبلی**، اس دور کے ارکان عظام تھے

مولانا شبلی نعمانی | مولانائے مغفور اس بزم مین سب سے پیچھے آئے، لیکن سب سے پیچھے نہین بیٹھے، جس کثرت، جس تنوع، جس گوناگونی کے ساتھ محامد و مناقب انکی ذات مین ودیعت تھے، اور تماشاگاہِ عالم مین جو جوہر کا کمال اُنھون نے دکھایا، یقین ہی کہ دنیا دیر تک اُسکو نہ بھولے گی،

شبلی زخیل زمزمہ سنجان حشم گرفت
بااین کہ ہیچ گونہ زخیل و حشم نداشت

مولانا کے حریفان معرکہ تلوار کا صرف ایک ہی وار جانتے تھے، متکلم فلسفی تھے یا فقط انشا پرداز یا زبان آور و سخن فہم تھے یا شاعر سخن سنج، لیکن یہ یگانہ روزگار مجموعہ ہر علم و فن تھا، جس رستہ پر قدم رکھا میدان مین سب سے آگے نظر آیا، جوہر قرآن اور فقہ حدیث کا نشیمن اس عہد مین صرف اُسی کا سینہ تھا،

تاریخ کا وہ اس بازار مین تنہا جوہری تھا، فلسفہ و کلام کا وہ امام تھا، شاعری کا کہنہ مشق استاد تھا، انشا پردازی کے پامال کوچہ مین بھی اسکی راہ الگ تھی، انشا پردازی (تحریر) و زبان آوری (تقریر) ان دونون کشورون مین صرف اسی کا سکہ روان تھا، سخن فہمی و سخن سنجی اسکے طائر سخن کے دو شہپر تھے، بالائے این و آن، وہ صرف دماغ و قلم کا انسان تھا، وہ ہاتھ تھا سرتاپا ہاتھ، تحریکیائے قومی کے عواقب پر جہان اسکی نظر پہونچی تھی، حریف اُسکے دیکھنے سے قاصر تھے، اسکا مخیلہ دماغ جن دینی و ملی کارنامون کا تماشا دکھتا تھا اور دکھانا چاہتا تھا، بہت سی آنکھین اُسکے دیکھنے کی صلاحیت بھی نہین رکھتین، قومی، تعلیمی، اجتماعی، سیاسی، ادبی کون تجویز و عمل تھا جسکے لئے اُسکا ہاتھ نہ بڑہا، بااین ہمہ اس کا مخصوص فن صرف تاریخ و کلام رہا،

حالاتِ زندگی | مولانائے مرحوم ہندوستان کے آشوب ایام اور بحران انقلاب ۱۸۵۷ء؁ مین صوبہ متحدہ کے ضلع اعظم گڈہ مین **بندول** نام ایک گاؤن مین پیدا ہوئے تھے، قریہ بندول قدیم شرفا کی ایک آبادی ہی جسکی نسبت خود مولانائے مرحوم فرماتے ہین،

فضل بندول اگر تو نشناسی
آدمی نیستی تو نسناسی

مولانا کا خاندان ایک شریف ممتاز، متمول اور صاحبِ اعزاز خاندان تھا، ابتدائی تعلیم و تربیت والدین کی زیر نگرانی اعظم گڈہ مین مولوی شکر اللہ نامی سے حاصل کی، اعظم گڈہ اس گاؤن کا صدر مقام ہی اور مولانا کے پدر بزرگوار یہان وکیل تھے،

اُن ایام مین فارسی زبان شرفا کی تعلیم کی زبان تھی، مولانا نے تمام فارسی نصاب اسی اثنا مین مکمل کیا، پھر عربی تعلیم شروع کی، خاندان کے اور بہت سے اعزہ و احباب شریک تعلیم تھے غازیپور مین ایک چشمۂ رحمت ہی، یہ چشمۂ فیض وہان سے بھی سیراب ہوا ہی، مولانا محمد فاروق صاحب

چریاکوٹی جو اس عہد کے فاضل اجل اور مولانا عنایت رسول صاحب چریاکوٹی (جو گویا سرسید کے استاد تھے) کے برادر اصغر تھے، وہ ان دنون مدرسۂ غازیپور کے صدر مدرس تھے، مولانا شبلی نے مولانائے ممدوح سے نصاب عربی کی متوسطات سے انتہا تک تعلیم حاصل کی،

مولانا فاروق چریاکوٹی، فلسفہ، منطق، ہندسہ، ادب عربی اور ادب فارسی مین خاک ہند کے آخری فرزند تھے، انکے بعد علما مین ان فنون کے کامل شاید ہی اُٹھین، مجھکو فخر رہے گا کہ اِس ہیچمدان نے جسطرح مولانا شبلی کے دامن تربیت مین پرورش پائی اسی طرح مولانا محمد فاروق کے آغوش تعلیم مین بھی تین برس تک پلا ہی، اس نسبت سے میرا روحانی باپ روحانی بھائی بھی تھا،

مولانا محمد فاروق کو اپنے شاگرد سے اِسقدر اُنس و محبت تھی کہ وہ خود اپنے کو عرین دانش کا شیر اور شاگرد کو "بچۂ شیر" کہتے تھے، استاد نے شاگرد کا سجع کہا تھا، انا اسد وانت شبلی، آخر زمانہ مین مولانا فاروق صاحب غازیپور چھوڑ کر خود مولانا کے گھر اعظم گڈہ آ گئے تھے،

مولانائے مرحوم نے اس ذات والاصفات کے آغوش مین معقولات کی جس حد تک تعلیم پائی تھی تمام ہندوستان مین اس سے زیادہ ہونا ناممکن تھا، اسوقت ہندوستان کے گوشون مین مستقل درسگاہون کے مالک لکھنؤ مین مولانا عبدالحی فرنگی محلی، دہلی مین مولانا نذیر حسین محدث، لاہور مین مولانا فیض الحسن سہارنپوری ادیب، رامپور مین مولانا عبدالحق خیرآبادی منطقی، مولانا ارشاد حسین صاحب فقیہ اور سہارنپور مین مولانا احمد علی محدث تھے، اور دیوبند کا مجمع العلما ابکی طرح پہلے بھی کم نہ تھا،

مولانا عبدالحی کمسن تھے، اسلئے اس زمانہ کے کہن سال اُنکو خاطر مین نہین لاتے تھے اور یہی اثر اُنکے شاگردو مین بھی پیدا ہوتا تھا، مولانا نذیر احمد طریقۂ اہل حدیث کے پابند تھے، اس عہد مین علمائے احناف کی نگاہون مین یہ طریقہ کفر کے ہم پلہ شمار ہوتا تھا، مولانا فاروق صاحب غالی حنفی تھے اور آخر تک رہے، اور یہی اثر مولانا مین ایک مدت تک رہا، اسلئے ان دو درسگاہون کو چھوڑ کر کم و بیش

وہ ہر جگہ گئے، دیوبند مین مولانا کے ایک عزیز جلیب (مولوی محمد عمر صاحب) تعلیم پاتے تھے اُن کے بلاوے پر وہان تشریف لے گئے، چند روز ٹھہرے شریک تعلیم ہوئے اور واپس آئے،

مولانا کے رفقائے تعلیم کا بیان ہی کہ اس عہد مین مولوی فاروق کی معقولات دانی کا شور تھا، مولانا شبلی جس درسگاہ مین جاتے تھے، "بچۂ شیر کو" شیر سمجھ کر ہر طرف سے طلبہ امناظرہ و مباحثہ کے لئے ٹوٹ پڑتے تھے، اور یہ پہلوان یکہ و تنہا ہر دنگل سے فخر و غرور کے ساتھ باہر آتا تھا، سہارنپور یا لاہور مین (اچھی طرح یاد نہین) مفتی عبداللہ صاحب ٹونکی سے کہ اس زمانے مین وہ بھی برابر کے طالب العلم تھے، جامع مسجد مین ایک منطقی بحث پر مناظرہ ہوا اور ہر فریق اپنے کو فتحیاب سمجھ کر اٹھا،

اعظم گڈہ سے مولانا رامپور تشریف لے گئے، مولوی عبدالحق صاحب خیرابادی کی درسگاہ مین آئے لیکن مولانا فاروق کے تربیت یافتہ کو اب یہان کیا جوہر نظر آسکتا تھا، چند طالب العلم مناظرہ و مباحثہ کے لئے لپٹ پڑے، پھر وہان نہ گئے، مولوی ارشاد حسین صاحب سے فقہ کی اعلی کتابین پڑھین اور جب ذکر آتا مولانا اپنے استاد کی فقہ دانی اور تبحر دینی کی بہت مدح فرماتے تھے، رامپور سے ادب کی تکمیل کے لئے لاہور مولوی فیض الحسن صاحب کی خدمت مین پہونچے، مولوی فیض الحسن صاحب اس زمانہ کے **اصمعی** اور **ابوتمام** سمجھے جاتے تھے، ہندوستان کے تمام دورۂ اسلامی مین قاضی عبدالمقتدر کے سوا یہی ایک فرد ہی جو عربی شاعری کا صحیح مذاق رکھتا تھا، انکی شرح حماسہ اور دیگر تصنیفات اُسکی کافی شاہد ہین، اور اب اُنکا عربی دیوان بھی چھپ گیا ہی،

لاہور مین مولانا صرف چند مہینے رہے، حماسہ شاید یہان شروع کی تھی، وقت نہ تھا، تو مولوی فیض الحسن صاحب اورینٹیل کالج سے آتے جاتے راستہ مین پڑھاتے تھے،

لاہور سے مولانا سہارنپور مولوی احمد علی صاحب کی خدمت مین کہ محدث حنفی تھے حاضر ہوئے، یہان کچھ دنون علم حدیث کی تحصیل فرمائی،

مولانائے مرحوم اپنے تمام اساتذہ مین مولوی احمد علی صاحب کے اخلاق و آداب سادگی و وضع اور اتباع سلف کے بیحد معترف تھے، اور ادب سے انکو ہمارے مولانا" کہا کرتے تھے،

عمر ۱۹- برس کی تھی (سال ۱۲۷۶ھ تھا) ترمذی شریف زیر درس تھی کہ خاندان کے بعض اعزہ نے بغرض حج سفر حجاز کا ارادہ کیا، حوصلہ مند طالب العلم کے لیئے یہ بہترین موقع تھا، چنانچہ استاد محدث سے اجازت لیکر سفر حجاز کے لئے روانہ ہو گئے، فریضۂ حج ادا کیا، مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے، ایک عالم وجد تھا جو عاشق رسول پر طاری تھا اس عالم مین ایک قصیدہ اور ایک قطعہ فارسی زبان مین انشا فرمایا جو سرتاپا شوق و آرزو ہی،

مدینہ منورہ مین بہت سے کتب خانے ہین، اسوقت مولانا پر حنفیت کا رنگ غالب تھا، تمام ہندوستان حنفیت و وہابیت کی ہنگامہ آرائی مین مشغول تھا، چنانچہ وہان پہونچکر اسی قسم کی کتابونکی جستجو فرمائی، فرماتے تھے کہ فنون حدیث کا جو سامان وہان نظر آیا کہین پھر نہ دیکھا، ابن عبد البر کی کتاب التمہید گو موطائے امام مالک کی شرح و نقد ہی لیکن درحقیقت وہ فنون حدیث کی دائرۃ المعارف ہی، ایک بار مین نے پوچھا تھا تو فرماتے تھے کہ مدینہ کے کتب خانون مین دیکھی تھی،

سفر حجاز کے بعض عجیب عجیب واقعات بیان فرمایا کرتے تھے منجملہ اسکے ایک درویش ہند کا قصہ تھا، جس کے دونون پاؤن کانٹون سے چھلنی ہو گئے تھے، موچنے سے کانٹے نکال رہا تھا کہ مولانا جاکر کھڑے ہو گئے، اشارہ کیا کہ تم بھی نکالو، پھر سوز و گداز کی لے مین یہ شعر پڑھا،

آبلے روتے ہین خون، بیخ بڑا ہوتا ہی
کوئی کانٹا جو کف پا سے جدا ہوتا ہی،

عربون کی فیاض طبعی اور شرافت خلق کے بھی بعض عجیب واقعات دیکھے،

اس سفر سے واپس اگر ظاہری طلب علم" کا دور ختم کر دیا، لیکن واقعاب سے "حقیقی طلب علم" کا دور شروع ہوتا ہی، مولانا فطری شاعر تھے، اردو و فارسی مین شعر موزون فرماتے تھے، کتب بینی کی ابتداء سے عادت تھی، فرماتے تھے کہ اعظم گڈہ مین رہتا تھا تو ایک کتب فروش کی بازار مین دکان تھی وہان جاکر اردو و فارسی کے دیوان دیکھا کرتا تھا کبھی کبھی گھر لے آتا تھا،

اعظم گڈہ کے قیام کے زمانہ مین لکھنؤ اور اطراف کے بعض عزیز یہان مقیم تھے، مشاعرے ہوتے تھے طرحین دیجاتی تھین، غزلین پڑھی جاتی تھین، مولانا میر مشاعرہ بنتے تھے اس زمانہ کی بعض غزلین مشکل سے مجھے ملی ہین، اسی زمانے مین پیام یار اور اودھ پنچ کا عنوان شباب تھا، بڑے شوق سے اُنکے نمبر پڑھتے تھے اور زبان کے مزے لیتے تھے، اودھ پنچ کی بعض طویل نظمین اب تک یاد تھین،

اسوقت تک فارسی زبان، ہندوستان کے شرفا کی علمی زبان تھی اس عہد مین بلکہ علی گڈہ پہونچنے تک تمام خط و کتابت فارسی مین کرتے تھے، اور قلم برداشتہ لکھتے تھے، اس زمانے کے اکثر فارسی خطوط میرے پاس ہین،

شاعرون کے علاوہ سب سے بڑا شغل آپ کا اس زمانے مین غیر مقلدون کی تردید بلکہ تکذیب تھی، فرماتے تھے کہ "انسان عیسائی ہو سکتا ہی لیکن غیر مقلد نہین ہو سکتا" لیکن عجائب روزگار دیکھو یہ تعصب کا دریائے جوش، بے تعصبی کے کس نشان تک اتر آیا، اس زمانے مین غیر مقلدین کی تردید مین اُردو فارسی، اور عربی مین کئی رسالے لکھے بعض خود ان کے نام سے اور بعض دوسرونکے نام سے چھپے ہوئے ملتے ہین، اسی عہد کا عربی رسالہ "اسکات المعتدی" ہی جسکے مولف کی نادانستہ سفر بیت المقدس مین ایک فاضل نے خود مولانا کے سامنے داد دی تھی،

اس عالم مین درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری تھا، مولوی حمید الدین صاحب اسی زمانہ کے فیض یافتہ ہین، مولانا اس عہد مین سخت درجہ متقشف اور مذہبی جابر تھے تارکین و غافلین صلوۃ کو

سخت تنبیہ فرماتے تھے، بعض لڑکون کو اسلئے کہ وہ آیندہ نماز پڑھنے کا وعدہ مستحکم کرین، دو دو گھنٹہ تک مارا ہی،

گھر کے لوگون کو فکر تھی کہ اب یہ کوئی دنیاوی کام کرین، زمینداری کے کاروبار سپرد ہوئے لیکن علم و دانش کا رئیس اس سے عہدہ برآ نہو سکا،

اکثر فارسی و عربی خوان لوگ اُس زمانے مین اُردو مین وکالت کا امتحان دیکر وکیل بنتے تھے خود مولانا کے والد اور نیز استاد مولانا فاروق صاحب اسی قسم کے وکیل تھے، ناچار مولانا نے بھی امتحان وکالت دیا اور دوسری بار مین کامیابی حاصل کی، اور چند مہینے تک اعظم گڈھ اور بستی مین وکالت کی بھی، لیکن ایک متقشف عالم کے لئے صدق و کذب اور صحت و خطا کی تبدیل و تقلیب سخت نفرت انگیز فرض تھا، مولانا ایک مقدمہ کا عجیب و غریب واقعہ بیان فرماتے تھے، کسی ٹھاکر نے اپنی کمسن لڑکی بیاہ دی تھی، داماد جوان ہو کر سسر کو پسند نہ آیا، اُدھر سے رخصتی کا تقاضا تھا اور اِدھر سے شدید انکار تھا، ناچار شوہر نے عدالت مین مقدمہ دائر کر دیا، لڑکی کا باپ مولانا کے والد کے پاس لیکر آیا، وکیل صاحب نے مولانا کو فرمایا کہ تم لکھدو، مولانا نے قصہ پوچھا تو ساری داستان اُسنے کہ سنائی، سنکر فرمایا کہ جب تم خود اقرار کرتے ہو کہ لڑکی اس سے بیاہی جا چکی ہی تو اب کیا ہو سکتا ہی؟ جاؤ لڑکی کو رخصت کر دو، وہ ہنستا ہوا وکیل صاحب کے پاس آیا، وکیل صاحب نے مولانا سے فرمایا کہ "بس آپ وکیل بن چکے" آخر خود وکالت نامہ لکھا، اور مقدمہ کی روداد بنائی، مقدمہ لڑا گیا اور جیتا گیا،

وکالت چھوڑ کر امانت مین نوکر ہوئے، رمضان کے زمانے مین شدید گرمی مین روزہ کے ساتھ گھوڑے پر سوار گاؤن گاؤن دن بھرا کرتے تھے نہ افطار کی فکر نہ سحری کا سامان، اور اسی طرح پورا مہینہ گذار لے گئے، آخر اس کوچہ مین بھی جی نہ لگا کہ ہادی فطرت پکار رہا تھا کہ شبلی تو اس سے بلند تر کام کے لئے پیدا ہوا ہی، ناچار پھر گھر مین بیٹھ کر مطالعہ و تدریس مین مشغول ہوئے، قصائد و رسائل لکھنے شروع کئے

یہ وہ عہد ہی کہ سرسید کے شور و ہنگامے سے تمام ہندوستان گونج رہا تھا، مولوی محمد حسین آزاد کی **سنین الاسلام** نئی نئی نکلی تھی وہ اکثر زیر مطالعہ رہتی تھی، مفاخر اسلام و عرب پڑھ پڑھ کر وجد کرتے تھے اور اب یہ پہلی بار تھی کہ اُنکے دل نے علما کی نادانی، تضیع اوقات، بیخبری، اور کج روی کا درد محسوس کیا

مولانا کے ایک نوجوان بھائی مہدی مرحوم علی گڈھ کالج مین پڑھتے تھے ۱۸۸۲ء مین قدرت کی اس زنجیر نے مولانا کو کالج مین کھینچا، بھائی سے ملنے گئے تو پیر میکدہ کو دل دے آئے، پیر کہن سال نے جوہرِ دانش، ناصیۂ شباب پر نمودار پایا، بے اختیار مصر ہوئے کہ آپ ہمارے مدرسہ مین کیون نہین رہتے، مولانا نے قبول فرمایا، اور فارسی و عربی کے پروفیسر مقرر ہو گئے، اور آخر اتنے انقلابات اور گردشون کے بعد دائرہ تقدیر کا خط مرکز تک پہونچا،

سید صاحب نے خود اپنی کوٹھی مین رہنے کے لئے کمرہ دیا، مولانا حالی بھی قیام فرماتے، مسٹر آرنلڈ بھی آ گئے تھے، شب و روز کچھ عجیب سی صحبت رہتی تھی، سید صاحب کا کتب خانہ دیکھکر مولانا فرماتے تھے کہ مین باغ باغ ہو گیا، مصر و یورپ کے تمام جدید و قدیم مطبوعات الماریون مین بہ ترتیب سجے تھے، مولانا فرماتے تھے کہ مین کئی کئی گھنٹے الماریون کے پاس کھڑا رہتا تھا، اور کبھی تھک کر انہین الماریون کے پاس زمین پر بیٹھ جاتا تھا،

سنین الاسلام کا نقشہ آنکھون کے سامنے تھا، پہلے چھوٹے چھوٹے تاریخی رسالے اور قومی نظمین لکھین گذشتہ تعلیم مثنوی صبح اُمید وغیرہ اُسی فصل کے میوے ہین، پہلے تاریخ بلاد اسلامیہ لکھنے کا خیال آیا، پھر گھٹا کر تاریخ بنی العباس شروع کی، لیکن جسقدر آگے بڑھتے گئے، میدان زیادہ کشادہ، فراخ اور نتیجہ صبر آزما اور دیر طلب نظر آنے لگا، ناچار "ناموران اسلام" کی منزل پر مسافر خیال نے دم لیا اور المامون شروع ہو کر ختم ہوئی، اسکے بعد رفتہ رفتہ اور کتابین تصنیف ہوئین، بعض بعض مباحث مہمہ پر کانفرنس مین رسائل لکھکر پیش کئے اور قبول عام کی سند حاصل کی،

۱۸۹۲ء مین **سیرۃ النعمان** سے قلم نے فراغت پائی تھی اور **الفاروق** کا تخیل تھا کہ سفر
و شام و روم کا سفر پیش آیا، مسٹر **آرنلڈ** کی معیت مین رہ سپر قسطنطنیہ ہوے، وہان سے ایشیاے کوچک
شام اور مصر ہوتے ہوئے چھ مہینہ کے بعد ہندوستان واپس آئے، جدید اسلامی ہندوستان کا یہ پہلا علمی
سفر تھا جو کسی عالم کی ہمت نے قبول کیا، ان مسافرتون مین انھون نے کیا کیا تماشے دیکھے، اُن کا
خامۂ نقاش خود سفرنامہ مین انکی رنگین تصویرین دکھا چکا ہی،

واپس اگر کالج مین وہ قصیدہ پڑھا جس کا مطلع یہ ہی،

قاصدِ خوش خبر امروز نواساز آمد — کز سفر یارِ سفر کردۂ ما باز آمد

از سفر **شبلی** آزادہ بہ **کالج** برسید — یا مگر بلبلِ شیراز بہ شیراز آمد

دوستان مژدہ کہ آن بلبلِ خوش لہجہ دگر — اندرین تازہ چمن زمزمہ پرداز آمد

سید صاحب اس زمانہ مین کالج کے برائے نام سکرٹری تھے، اصل مالک سید محمود بن گئے تھے،
جنکے طرز عمل سے ہر شخص نالان تھا، مولانا نے کئی بار استعفا دیا، مسٹر بک نے نامنظور کیا، آخر ۱۸۹۸ء کی
سی مین کالج سے رخصت لی، سید صاحب اور مسٹر بک مصر تھے کہ مولانا یہان شش ماہہ قیام کرین لیکن
وہ اپنے وطن چلے آئے، اسی زمانہ مین سید صاحب نے بھی انتقال کیا، اسی اثنا مین ۱۶ سال کی خدمت کے
بعد ۱۸۹۸ء مین کالج کی پروفیسری سے استعفا دیدیا، اب مستقلاً اعظم گڈہ مین قیام کیا، الفاروق زیر ترتیب تھی
نیشنل اسکول ایک انگریزی کا مدرسہ یہان قائم تھا اُسکے انتظام و ترقی مین مصروف ہوئے، ۱۸۹۹ء مین
صحت ہوا کے لئے کشمیر گئے لیکن آب و ہوا راس نہ آئی علیل ہو گئے، تاہم الفاروق کی تالیف و تحریر
جاری تھی، الفاروق کی جس دن آخری سطرین قلم نے لکھی ہین مصنف بستر مرض پر دراز تھا اور گھنٹون تک
ہوش نہ آیا، اس مرض نے اسقدر طول کھینچا کہ مہینون تک لکھنا پڑھنا یک قلم متروک ہو گیا اور بمشکل صحت
ہوئی، **قصیدۂ کشمیریہ** مین یہی واقعات منظوم ہوئے ہین اور اسی مرض سے صحت پر مولانا

حالی نے وہ تہنیت لکھی جس کا مطلع یہ ہی

للہ الحمد پس از ناخوشی و رنج دراز
شبلی ما مُرادِ از سرِ بالین برخاست

یہین کے قیام کے زمانہ مین الفاروق چھپکر نکلی، یہان کچھ ہی روز قیام رہا کہ مولوی سید علی بلگرامی کے
اصرار پر ریاست حیدرآباد مین نظامت علوم و فنون کا عہدہ قبول فرمایا اور پھر یہین سے **الغزالی**، سوانح
رومی، علم الکلام، الکلام اور موازنہ بہ ترتیب تصنیف ہوکر نکلی،

ہم نے اب تک **ندوۃ العلما** کی داستان نہین چھیڑی، ندوۃ العلما کا تخیل مولوی **محمد علی** صاحب
کانپوری اور دیگر ارباب فہم کی تجویز تھی، مولانا اس قسم کے کامون کے لئے سراپا انتظار تھے ادہر سے ہی
اجلاس سے شریک ہو گئے، مصر و قسطنطنیہ کے سفر نے تعلیم و نصاب تعلیم و طریقۂ اصلاح تعلیم کے متعلق عجیب
و غریب خیالات پیدا کر دیئے تھے، اور اسی جوش مین دار العلوم کا خاکہ طیار کیا، اور اب بھی اُسکو کوئی پڑھیگا تو
فوراً کہدیگا کہ مصنف قسطنطنیہ کی فضا مین کھڑا ہوکر مسلمانان ہندوستان کے لئے راہ بتا رہا ہی، مولانا مسلمانونکی ہر قسم کی
اصلاح کو علما کی اصلاح پر منحصر رکھتے تھے اور علما کی اصلاح طریقۂ تعلیم کی اصلاح پر موقوف جانتے تھے،
اس بنا پر دار العلوم اور ندوہ ہی انکے نزدیک کام کا اصلی طریقہ تھا، مولوی محمد علی صاحب کے استعفا کے بعد
ندوہ مین جب انحطاط شروع ہوا تو خود لکھنؤ چلے آئے اور دار العلوم کو تقریباً ۱۹۰۴ء مین اپنے ہاتھ لے لیا،
اسکے بعد جو خدمتین ندوہ کی انھون نے انجام دین اور جس حد تک اسکو ترقی دی اُسکی تفصیل کا
یہ موقع نہین، خیرہ چشمون سے کامیابی کی یہ درخشندگی دیکھی نہ گئی، رخنہ اندازی شروع کی تا آنکہ ۱۹۱۳ء
مین ملول ہوکر علٰحدہ ہو گئے،

دنیاوی حیثیت سے مولانا نے جو وقار حاصل کیا وہ بھی کم نہ تھا، ۱۸۹۲ء مین سلطان ٹرکی نے
تمغۂ مجیدی عنایت کیا، ۱۸۹۴ء مین شمس العلما کا خطاب عطا ہوا الہ آباد یونیورسٹی کے فیلو مقرر ہوئے،

اسی زمانہ مین رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے ممبر ہوئے، سنہ ۱۹۰۱ء مین امیر عبدالرحمٰن خان والی کابل نے ترجمہ کا محکمہ قائم کیا، اسکے لئے ہندوستان سے مولانا کا انتخاب ہوا، لیکن مولانا نے جانے سے انکار کیا، سنہ ۱۹۰۷ء مین اڈنبرا مسلم سوسائٹی کے پریسیڈنٹ ہوئے، سنہ ۱۹۱۰ء مین شملہ کی گورنمنٹ اورینٹیل کانفرنس مین مدعو ہوے، سنہ ۱۹۱۲ء مین الہ آباد کی سرکاری ورنیکولر اسکیم کمیٹی مین شریک ہوئے اور گورنمنٹ نے مولانا ہی کی تجویز پر مسئلہ کا فیصلہ کیا، ڈھاکہ یونیورسٹی کے جلسون مین بُلائے گئے، حکام صوبہ اور والیانِ ریاست اکثر خلوص و محبت سے ملتے تھے، گذشتہ موقع تاجپوشی مین ہز مجسٹی نے شرفِ ملاقات بخشا، بھوپال، رامپور، جزیرہ اور حیدرآباد کے رؤسا مولانا کے قدردان تھے، حیدرآباد مین مشرقی یونیورسٹی کے وضع نصاب کے لئے تقرر ہوا،

حضور نظام نے اولاً ایکسو ماہوار کا منصب جاری کیا، پھر سنہ ۱۹۱۲ء سے تین سو ماہوار کر دیا، ہندوستان، مصر و شام و ٹرکی و جزائر ملایا، بلکہ انگلینڈ، پیرس اور برلن سے علمی استفتا اور سوالات ہمیشہ آیا کرتے تھے، مسٹر آرنلڈ انگلینڈ سیوبوا پیرس ڈاکٹر محمود ببیب برلن سے علمی استفادہ کرتے تھے سنہ ۱۸۹۹ء کی اورینٹیل کانفرنس مین جو اٹلی مین منعقد ہوئی تھی شرکت کا ارادہ تھا کہ دفعۃً بیمار ہوگئے اور نہ جا سکے، سنہ ۱۹۱۳ء مین ٹرکی کی طرف سے مدینہ یونیورسٹی کے قیام کا جو خیال تھا اسکے واضعینِ نصاب مین مولانا کا نام بھی داخل تھا،

ادھر وقف اولاد کی مہم سر اُٹھائی اور بأحسن وجوہ پریوی کونسل تک معاملات پہونچا کر کامیابی کے ساتھ ختم کی، اشاعت اسلام کی عظیم الشان اسکیم کئی بار لکھی، اور ہر بار قدم آگے بڑھا کر پیچھے ہٹ گئے ندوہ مین قرآن کا اکثر درس جاری رکھا، آخر مین دارالمصنفین کا ارادہ تھا کہ قوم مین اشخاص پیدا ہون، سب سے آخری اور اہم تصنیف "**سیرۃ نبوی**" زیر تالیف و نظر تھی، کچھ اجزا طیار ہو چکے تھے کچھ باقی تھے کہ پندرہ روز کی علالت کے بعد ۱۸ - نومبر سنہ ۱۹۱۴ء مطابق ۲۸ - ذلحجہ سنہ ۱۳۳۲ھ ہجری مین وفات پائی، سنہ **۵۷ء** مین پیدا ہوئے تھے اور ۵۷ ہی برس کی عمر پائی، **ہنگامۂ مشرق** (غدر) مین ظہور کیا، اور **ہنگامۂ مغرب** (جنگ یورپ) مین مخفی ہوئے، **بدرالاسلام** سیرۃ نبوی مین پہلی تصنیف کی، اور **سیرۃ نبوی** پر آخر دم توڑا، اِنَّا للّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون ہندوستان سے مصر اور مصر سے یورپ تک تمام عالم نے ماتم کیا،

تصنیفات | بہ ترتیب زمانہ حسب ذیل تصنیفات یادگار چھوڑین، رسالہ گذشتہ تعلیم، الجزیہ، کتبخانہ اسکندریہ، المامون، رسائل شبلی، سیرۃ النعمان، الفاروق، سفرنامہ، الغزالی، علم الکلام، الکلام، سوانح مولانائے روم، موازنہ انیس و دبیر، شعرالعجم، مقالات شبلی، مضامین عالمگیر، سیرۃ النبی، مجموعۂ کلام اُردو، یہ تمام تصنیفات اُردو زبان مین ہین،

عربی مین اسکات المعتدی، بدرالاسلام، الجزیہ، النقد علی التمدن الاسلامی اور بعض مضامین جو مصری رسالون مین لکھے،

فارسی مین دیوان شبلی، دستۂ گل، بوئے گل وغیرہ رسائل مختصرہ،

یہ امر قابل افسوس ہی کہ مولانا کا کوئی سلسلۂ تصنیف مکمل نہوا، **ناموران اسلام** کے سلسلہ مین صرف **المامون** اور **الفاروق** مرتب ہو سکی، **علم کلام** کے سلسلہ مین علم الکلام، الکلام الغزالی، اور سوانح مولوی روم تصنیف ہوئی، **شعرالعجم** کی پانچ جلدون مین سے چار جلد چھپ سکی پانچوین جلد کے اجزا بحالت مسودہ موجود ہین، **سیرۃ نبوی** کی ناتمامی کا داغ تو اخیر وقت تک آنکے دل مین رہا، اپنی زندگی مین دوستون سے فرماتے تھے کہ "سیرۃ کو تمام ہی کرنا ہی گو جان دیکر سہی" آخر اسی مقولہ کے مطابق اسی دُھن مین اس بزرگ نے جان ہی دی، رحمہ اللہ واسعۃ،

آہ! کہ بہت کچھ کہنا ہی لیکن کیا کیا جائے کہ ہمارے سینون مین جو وسعت ہی وہ کاغذ کے صفحون مین کیونکر آئے

حدیثِ عشق خوش بوداست و شبلی خوشتر گفت است ۔ شنیدن مے توان زین حرف رنگین داستانے را

داستانِ آفرینش

افادۂ پروفیسر سید نواب علی ایم، اے

معارف :

فطرت کے سراپائے حقیقت پر جو نقاب پڑی ہی کوششون کا دست شوق اُسکے بند و گرہ اب تک وا نہ کرسکا، نامحرم اسرار سمجھتے ہین کہ جلوۂ فطرت اب بے پردہ ہی اور چشم دیدار کو اب صلائے عام ہی لیکن واقعہ یہ ہی کہ سراپائے حقیقت پر جو پردہ پڑا تھا دست تمنا کی گستاخیون نے کہین کہین سے اُسکے پرزے البتہ کردیے ہین جس سے کبھی کبھی دیدۂ مشتاق کو حسن ناتمام کا جلوہ نظر آجاتا ہی لیکن حقیقت کا چہرہ ابتک زیر نقاب ہی **حافظ** کا مشورہ ہی کہ یہ ایک راز سربستہ ہی اُسکو یون ہی رہنے دو،

حدیث مطرب و مے گوے و راز دہر کمتر جوے　　　　کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معمارا

ہم فطرت کے قوانین عام جانتے ہین، چاند کو دیکھتے ہین، سورج کو دیکھتے ہین، جا بجا ستارون کے جھنڈ بھی نظر آتے ہین، آب و باد و خاک و آتش، جمادات و نباتات و حیوانات ان مین سے ہر چیز ہمارے سامنے ہی اور ہم بتا سکتے ہین کہ یہ کیونکر ہی لیکن یہ کون بتا سکتا ہی کہ کیون ہی؟

عالم کا وجود نہ تھا، پھر ہوا ایک چیز پیدا ہوئی، پھر اس مین عجیب و غریب جلوہ گریان پیدا ہوئین، یہ سب تماشا آنکھون کے سامنے ہی لیکن جب پوچھا جائے کہ یہ کیون ہی؟ اور کہان سے ہی؟ تو مذہب چشم ادب کا اشارہ کرتا ہی کہ یہ پوچھنے کی بات نہین لیکن عقل بر خود غلط نہین مانتی، وہ کشف حال کے لئے بیقرار ہی، ایک پردہ اُٹھاتی ہی تو سامنے دوسرا پردہ آجاتا ہی، ایک عقدۂ سربستہ کھولتی ہی تو دوسرا عقدۂ لاینحل نظر آتا ہی،

یہین پہونچکر ایک انگریز فلاسفر **اڈورڈ کلاڈ** کہتا ہی،

"بیسوین صدی کے انکشافات گذشتہ صدی کی تحقیقات سے بازی لیجائینگے لیکن یہ عجیب بات ہی کہ ہم جسقدر علم مین ترقی کر رہے ہین اسیقدر اسرار کائنات پیچیدہ ہوتے جاتے ہین"

اسی حقیقت کو مشرق کا ایک اور آشنائے راز اس طرح ادا کرتا ہی:

فلسفی سرّ حقیقت نتوانست کشود　　　　گشت رازِ دگر آن راز کہ افشا می کرد
(شبلی)

عالم کسطرح وجود مین آیا اور اسکی آفرینش کا آغاز کیونکر ہوا، مذہب نے اس کا صرف یہ جواب دیا ہی کہ خدا نے سب کچھ اپنی قدرت سے بنایا، اسکے آگے یہ کہکر خاتمہ کردیا **وما اوتیتم من العلم الا قلیلا**

اب آؤ دیکھین کہ عقل اسکا کیا جواب دیتی ہی، فلسفۂ قدیم کے مطابق پہلے حسب ذیل اصول ذہن نشین کرلینا چاہئے،

(۱) عالم مین دو چیزین ہین **واجب** اور **ممکن**، یعنی ایک وہ جسکا وجود ضروری ہی اور جسپر کبھی عدم طاری ہو ہی نہین سکتا، دوسرا وہ جس پر وقتاً فوقتاً وجود و عدم دونون طاری ہوتا رہتا ہی،

(۲) عالم مین علل و اسباب کا غیر متناہی سلسلہ نہین ہوسکتا ورنہ کوئی چیز عالم وجود مین آہی نہین سکتی، کیونکہ جب تک آخری علت نہ پیدا ہولے معلول آخر وجود پذیر ہی نہین ہوسکتا، اسلئے ضرور ہی کہ علل و اسباب کا ایک آخری مرکز ہو، اُسکو علۃ العلل کہتے ہین،

(۳) کسی شے کے وجود کی علت تامہ یعنی تمام اسباب و علل جن پر اسکا وجود موقوف ہی پیدا ہوجائے تو اس معلول شے کا وجود بھی اسی وقت فوراً ہوجائیگا، معلول علت تامہ سے

بھی تخلف نہین ہوسکتا،

(۴) واجب کی دو قسمین ہین، واجب لذاتہ اور واجب لغیرہ، واجب لذاتہ یعنی علۃ العلل جو اپنے وجود مین کسی غیر علت کا محتاج نہین، اور واجب لغیرہ جسکا وجود خود اپنی ذات کے لحاظ سے ضروری نہین، لیکن چونکہ اسکی علتِ تامہ پیدا ہی اسلئے اس کا ہونا بھی ضروری ہی،

(۵) واجب لذاتہ یا علت العلل ہر حیثیت سے ایک ہی ہی یعنی یہ کہ وہ علت تامہ ہی اور واجب لغیرہ مین کم از کم دو حیثیتین ہین، ایک یہ کہ وہ علتِ تامہ کا معلول ہی دوسرے یہ کہ وہ دوسرے کی علت تامہ ہی،

(۶) تمام کائنات گردش آسمانی کے تاثرات و نتایج ہین،

(۷) آسمانون کی تعداد نو ہی جنکا محرک اعظم فلک نہم ہی،

(۸) جو شے ہر حیثیت سے ایک ہو اس سے ایک ہی شے پیدا ہوسکتی ہی اگر اس سے کوئی اور چیز بھی پیدا ہو جائے تو اس مین دو حیثیتین پیدا ہو جائے جو وحدت کاملہ کے خلاف ہے،

داستان سرایان یونان اسکے بعد اس کہانی کو یون بیان کرتے ہین:

واجب الوجود چونکہ علت تامہ ہی نیز اس مین صرف ایک ہی حیثیت ہی اسلئے اس سے فوراً صرف ایک شے پیدا ہوئی یعنی **عقل اول**، عقل اول مین دو حیثیتین تہین، ایک معلول اور دوسرے علت ہونیکی اسنے دو چیزین پیدا کین، **عقل دوم** اور فلک اول عقل دوم نے بھی اپنی دو حیثیتون سے دو چیزین پیدا کین عقل سوم اور فلک دوم، عقل سوم نے عقل چہارم اور فلک سوم کو پیدا کیا، عقل چہارم نے عقل پنجم اور فلک چہارم کو، عقل پنجم نے عقل ششم اور فلک پنجم کو، عقل ششم نے عقل ہفتم اور فلک ششم کو، عقل ہفتم نے عقل ہشتم اور فلک ہفتم کو، عقل ہشتم نے عقل نہم اور فلک ہشتم کو، عقل نہم نے عقل دہم اور فلک نہم کو، عقل دہم نے فلک نہم مین حرکت و جنبش پیدا کی اور مادہ کو خلق کیا، فلک نہم نے حرکت و جنبش شروع کی اور اس جنبش اور گردش سے مادہ مین بقدر استعداد تاثر ہونے لگا، اور ان تاثرات سے عالم کی مختلف چیزین پیدا ہوگئین،

کہتے ہین کہ دنیا اب دورۂ طفولیت سے بہت آگے نکل گئی اور اب کہن سال عجوزۂ یونان کی پارینہ کہانیون پر اسکو بے اختیار ہنسی آتی ہی، اب عہدِ واقعہ نگاری ہی بہتر ہی آؤ کہانیون کو چھوڑکر **یورپ** کے واقعہ نگار سے پوچھین کہ کائنات کی آفرینش کی تاریخ تم کو کچھ معلوم ہی؟

واقعہ نگارِ یورپ کی ترجمانی کا فرض، اپنے دوست پروفیسر سید **نواب علی** ایم اے کے حوالہ کرکے اب ہم الگ کہڑے ہوتے ہین:

تبعین[۱] سائنس کے سامنے اگر خدا کو خالق عالم کہین تو اعتراضات کے ایسے پہلو پیدا کینگے کہ جس سے سامع حیران ہو جائیگا کہ آخر اصل حقیقت کیا ہی لیکن یہ عجیب بات ہی کہ تخلیق عالم کے متعلق جو رائے سائنس کی طرف سے پیش ہوتی ہی، اس پر وہی اعتراضات عائد ہوتے ہین، پھر بھی اس رائے کی ایسی بلند آہنگی سے تصدیق کیجاتی ہی کہ گویا مشاہدہ اور تجربہ سے ثابت ہی اور اسلئے واجب التسلیم ہی،

اس نکتہ کو ہربرٹ اسپنسر نے جسے مسائل سائنس کو فلسفیانہ رنگ مین بیان کرنے مین ید طولیٰ حاصل ہی اپنی مشہور کتاب **اُصول اولیہ** صفحہ ۳۰ لغایت ۳۵ مین نہایت خوبی سے ادا کیا ہی، وہ کہتا ہی کہ کائنات کی ابتدا کیونکر ہوئی؟ اسکے متعلق مذہب کہتا ہی کہ کسی خارجی قوت یعنی خدا نے پیدا کیا، فلسفۂ وحدت وجود کہتا ہی کہ عالم اپنا آپ خالق ہی، سائنس کہتا ہی کہ کائنات خود بخود موجود ہی، مذہب اور فلسفہ کے عقائد پر اعتراضات پیش کرکے اسپنسر کہتا ہی کہ کیا اب یہ سمجھنا چاہیئے کہ عقیدہ سوم یعنی سائنس کی رائے قطعاً صحیح ہی؟ ہرگز نہین، اس پر بھی وہی اعتراض عائد ہوتے ہین جو مذہب اور فلسفہ کے عقاید پر

[۱] مادۂ او سلسلۂ معارج الدین،

ہوئے ہین، ذیل مین ہم اسکے الفاظ کا ترجمہ درج کرتے ہین،

اگر یہ کہو کہ کائنات خود بخود موجود ہی یعنی قائم بالذات ہی تو ایک ایسی شے کا تصور جسکی کوئی علت نہو، اور جسلئے اس کا آغاز بھی نہین خارج از قیاس ہی لا متناہی زمان ماضی کا تصور اول تو محال ہی لیکن اگر فرض بھی کرلیا جائے تب بھی یہ مسئلہ حل نہین ہوتا، ایک چیز ہمارے سامنے اسوقت موجود ہی ہم نے یہ دریافت کرلیا کہ یہ چیز ایک گھنٹہ پہلے یا ایک دن یا ایک سال پہلے بھی موجود تھی، کیا ہمارے اس دریافت کرلینے سے اس شے کی وجود مین آنے کی کیفیت سمجھ مین آگئی، اب خیال کو وسعت دو اور ایکسال سے بڑھتے بڑھتے لا متناہی زمانہ کی سرحد مین قدم رکھو، عقدہ ویسا ہی لاینحل رہتا ہی، اسلئے ملحدین کا یہ خیال کہ کائنات خود بخود موجود ہی نہ صرف بعید از قیاس ہی بلکہ اگر فرض بھی کرلین تب بھی یہ مسئلہ کہ کائنات کا آغاز کیونکر ہوا حل نہین ہوتا۔ (اصول اولیہ صفحہ ۳۱ و ۳۲)

اسپنسر کا مسلک "لاادریت" ہی یعنی عقل انسانی علم حقیقی کے حصول سے عاجز ہی، جس طرح مذہب کنہہ ذات اور عالم غیب کی حقیقت سمجھا نہین سکتا، اسی طرح فلسفہ اور سائنس مادہ اور حرکت کی اور زمان اور مکان کی کیفیت نہین بتا سکتا، مذہب، فلسفہ اور سائنس ان تینون کی سرحد اگر ملتی ہی تو اس مقام پر کہ وہ **طاقت جسکا مظہر یہ عالم ہی کلیۃً ہمارے ادراک سے باہر ہی**،[1]

اس تقریر سے یہ معلوم ہوگیا کہ کائنات کے آغاز کا معما عقل انسانی سے نہ حل ہوا اور نہ ہوسکتا ہی، اسلئے اگر ماہیت اشیا کی بحث کو چھوڑکر مادہ اور اسکی ازلی حرکت کو فرض کرلین تو تخلیق عالم کے متعلق سب سے زیادہ قرین قیاس رائے مشہور محقق **کانٹ** اور **لپلاس** کی ہی جو نیبولر تھیوری[2] (مسئلہ ضبابۃ النجوم) کے نام سے مشہور ہی، یہ مسئلہ اولاً نظام شمسی کی کیفیت تخلیق تک محدود تھا لیکن بعد کو مشہور ہیئت دان **ہرشل** کے اکتشافات جدید نے اس مسئلہ کو تمام نورانی اجرام کی تخلیق پر منطبق کردیا،

---

[1] اصول اولیہ صفحہ ۱۰۸، [2] معارف: ضبابہ عربی مین اور نبولا لیٹن مین بکھرے ابر کو کہتے ہین، اصطلاحاً فضا کا رقیق نورانی

مسئلہ ضبابۃ النجوم

اس مسئلہ کی تشریح حسب ذیل ہی:

ازل مین مادہ ایک ظلمانی گرد محیط کی شکل مین اسطورت سے موجود تھا کہ اسکے اجزائے دیمقراطیسی حالت منفصلہ مین منتشر تھے، یہان تک کہ فورس (قوت فاعلہ) نے ان اجزا کو کیمیاوی اتحاد کے قانون سے متحد کردیا، پھر قانون کشش اتصال کے رو سے ان متحدہ اجزا کو اجسام کی صورت مین ترتیب دیا، بعدازان کشش ثقل کے قاعدہ سے ان اجسام کو اپنے اپنے مرکزون کی جانب کھینچ لیا، فورس جب یہ رنگ اختیار کررہا تھا تو انرجی (قوت دافعہ) جو ابھی تک حالت منفعلہ مین پنہان تھی، اجزائے دیمقراطیسی کے تصادم سے حرکت مین آئی اور گرمی اور پھر گرمی سے روشنی پیدا کردی اسطرح فضائے کائنات مین بے شمار ضبابۃ النجوم پیدا ہوگئے، جنکے حرقت اور التہاب کے اندازہ کرنے سے طائر وہم و خیال کے پر جلتے ہین،

یہ ضبابہ ان لاکھون کرورون کواکب کے مبدا ہین جو بجائے خود اپنے اپنے عالم کے شموس ہین، ان سے[1] بعد مسافت کا ادنی سا اندازہ یون ہوسکتا ہی کہ سب سے قریب ستارہ الفا سنتاری کی روشنی جو ایک سکنڈ مین ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کا فاصلہ طے کرتی ہی ہم تک ساڑھے تین برس مین پہونچتی ہی،[2] لیکن یہ بعد مسافت عقل انسانی کے سنگ راہ نہین ہی، ہم انکی روشنی کے رنگ سے جو آلہ اسپکٹراسکوپ سے نظر آتا ہی، انکی حالت کا اندازہ کرسکتے ہین، مشہور ہیئت دان **نارمن لاکیار** کہتا ہی "ایک لوہے کی سیخ کو اسپکٹراسکوپ سے گرم ہوتے دیکھو، پہلے سرخ رنگ پھر نارنجی اور زرد سے بتدریج ساتوین رنگ بنفشی تک غور کرو، اور ان الوان کا فوٹو لیتے جاؤ تو معلوم ہوجائیگا کہ جسقدر سیخ گرم ہوتی جائیگی اسپکٹرم کا طول تغیرون کے ساتھ بڑھتا جائیگا یہی کیفیت کواکب کی ہی اسپکٹراسکوپ سے انکے الوان کا فوٹو انکی حالت کا آئینہ ہی اور اسلئے ہم بتا سکتے ہین کہ بعض بے انتہا گرم ہین اور بعض بالکل سرد ہوگئے ہین۔"[3]

---

[1] ماخوذ از ذکر تخلیق، مصنفہ کلاڈ، [2] علم جدید مصنفہ ڈنکن،

نظام شمسی

نورس اور انرجی کے قوانین مذکورۂ بالا کے رُو سے ایک "ضبابہ" کی گردش اور التہاب سے چند جدا جدا حلقے نکل آئے جو سیارے اور اقمار کی شکل مین ایک ہی سمت گردش کرنے لگے، وسط ضبابہ مین ان سب سے حجم مین بڑا ہمارا آفتاب باقی رہ گیا ہی، جسکے گرد سیارے اور اقمار گردش کرنے لگے اس باضابطہ مجموعہ کا نام نظام شمسی ہی، اور اُسی سے براہ راست ہمارا تعلق ہی،

انتباہ۔ زمانۂ حال کا مشہور ہیئت دان پراکٹر اپنی کتاب "توسیع افلاک" کے مضمون "سیارے کیونکر پیدا ہوئے" مین لکھتا ہی،

> ہم تسلیم کرتے ہین کہ سیارے اور آفتاب ابتدا مین صرف ایک "عظیم گردابان" یعنی ضبابہ مین شامل تھے لیکن بڑے بڑے عقلاے دہر ابتک حیران ہین اور کچھ فیصلہ نہ کرسکے کہ آخر سیارون کا یہ باقاعدہ نظام اور انکا باہمی فرق مراتب کیونکر عمل مین آیا،

نظام شمسی کے ارکان یہ ہین، آفتاب، سیارے جن مین زمین بھی شامل ہی، اقمار، شہاب ثاقب آفتاب کا حجم اپنے ارکانِ نظام کے مجموعی حجم سے ... حصہ زیادہ ہی، اِسکے قرص کے پگھلے ہوئے مادہ کی آتش مزاجی اس حد تک ہی کہ جسکا اندازہ مشکل ہی، فضائے آفتاب ہیڈروجن اور ہیلیم (جو بقول ولیم ریمزے ریڈیم سے نکلا ہی) سے معمور ہی، جنکے سبب سے ہولناک طوفانِ نار اُٹھتے ہین اور خوفناک زبانہائے آتشین ہزارون میل تک بلند ہوتے نظر آتے ہین، آفتاب اپنے محور یا "مستقر"[1] کے گرد پچیس دن مین گھومتا ہی لیکن اُسکے نظام کے ارکان اُسی کے گرد گردش کرتے ہین،

بعض سیارے مثلاً زحل اور مشتری اپنے حرقت اور التہاب، تلاطم اور طوفان کے لحاظ سے ہمرنگ آفتاب ہین لیکن بعض چھوٹے چھوٹے سیارون کا یہ قیامت خیز جوش و خروش فرو ہوگیا ہی اور برودت کے درجہ تک پہونچکر انجمادی حالت پیدا ہوگئی ہی، گرمی اور روشنی نام کو نہین رہی اور انرجی کا

[1] اشارہ ہی اس آیت پاک کی طرف والشمس تجری لمستقر لہا۔

ذخیرہ ختم ہوگیا ہی، یہی حالت ہمارے چاند کی ہی، نہ اس مین ہوا ہی نہ گرمی، اُسکے آتش فشان پہاڑ گویا اپنی آتش افشانی کی بہار دکھا چکے، یہی حال ایک دن اور سیارون کا بھی ہونے والا ہی، کیونکہ انرجی بحیثیت مجموعی فنا نہ ہو لیکن موجودہ اجسام سے ایک نہ ایک دن زائل ہو جائیگی، اُسوقت اذا الشمس کورت واذا النجوم انکدرت کے معنی آئینہ ہو جائینگے،

کرہ زمین

ہماری زمین بھی ابتدا مین رقت اور التہاب کے لحاظ سے چھوٹے پیمانہ پر آفتاب کے ہمرنگ تھی لیکن رفتہ رفتہ حرارت کے کم ہونے سے اُس کا ملتہب مادہ عناصر مثلاً نیٹروجن اور آکسیجن کے امتزاج سے بشکل غاز یعنی ہوا اور آکسیجن اور ہیڈروجن کے امتزاج سے سیال ندی یانی کی شکل مین نمودار ہوا اور بالائی حصہ منجمد ہوکر سطح زمین کہلایا، زمین کے اندر تخمیناً پچیس میل تک آتشی اور آبی عمل سے ظہور مین آئی ہوئی چٹانون کا سلسلہ دریافت ہوا ہی جسکے نیچے قیاساً یہ کہا جاتا ہی کہ پگھلا ہوا مادہ موج زن ہی جسکا ثبوت پہاڑون کی آتش فشانی اور زلزلون سے چلتا ہی[1]،

زمین کی عمر

زمین کی عمر کے متعلق مختلف رائین ہین اور لاکھون اور کرورون کے اعداد پیش کیے جاتے ہین، علمائے طبعیات مثلاً **لارڈ کلون** دو کرور سے دس کرور تک بیان کرتے ہین لیکن طبقات الارض کے ماہر اس سے زائد مدت بتاتے ہین[2]، بہرحال اسقدر تحقیق ہی کہ زمین کی عمر بہت زیادہ ہی، اور یہ کہ سات ہزار کی مدت جو مروجہ اناجیل مین بیان کی گئی ہی کسی طرح قیاس مین نہین آتی، یہود اور نصارٰے کی پیروی مین جن مسلمانون نے اناجیل کی اس روایت کو تسلیم کیا ہی وہ دیکھین کہ خود محققین اسلام سائنس کے انکشافات سے کئی سو برس پیشتر کیا کہتے ہین؟

علامہ ابن حزم (المتوفی ۴۵۶ھ) جو اندلس کے ایک مشہور محدث ہونے کے علاوہ ایک متبحر متکلم بھی تھے اپنی معرکۃ الآرا کتاب الفصل فی الملل حصۂ دوم صفحہ ۱۰۰ مین فرماتے ہین

[1] طبقات الارض "مصنفہ گیگی جلد اول صفحہ ۳۰۷ [2] ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع جدید،

وَامّا اختلاف النّاس فی التّاریخ فانّ الیهود یقولون الدّنیا اربعة اٰلاف سنة وشیف والنّصاری یقولون الدّنیا خمسة اٰلاف سنة وامّا نحن فلا نقطع علیٰ عدد معروف عندنا وامّا من ادّعی فی ذالک سبعة اٰلاف سنة او اکثر او اقل فقد کذب وقال ما لم یات قط عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فیه لفظة تصح بل صح عنه علیه السلام خلافه بل نقطع علیٰ ان للدّنیا امرًا لایعلمه الّا اللّٰہ عزّ وجلّ قال اللّٰہ تعالٰی ما اشهدتهم خلق السّموٰت والارض ولا خلق انفسهم،	اور لوگون کے اختلافِ تاریخ کے بارہ مین بس یہودی دنیا کی عمر چار ہزار اور کچھ زائد بتاتے ہین اور عیسائی پانچ ہزار کہتے ہین لیکن ہم مسلمانون کے نزدیک کوئی خاص عدد مقرر نہین ہی اور جس کسی نے عمرِ دنیا کے بارہ مین سات ہزار سال سے کچھ زائد یا کم کا دعوی کیا اسنے جھوٹ کہا اور ایسی بات کہی جسکے متعلق رسول اللہ صلعم کی صحیح روایت مروی نہین بلکہ اسکے خلاف مین مذکور ہی، یہ امر قطعی ہی کہ عمرِ دنیا کا علم بجز خدائے عزّ وجلّ کے اور کسی کو نہین حق تعالے اپنے کلام پاک مین اشارہ فرماتا ہے، نہ حاضر کرلیا تھا مینے اُن کو بنانے مین آسمانون کے اور زمین کے اور نہ بنانے مین انکی جانون کے ۔

آگے چل کر محدث موصوف آثارِ قدیمہ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہین کہ "ہندوستان مین بہت سے ایسے مجسمے اور سنگی آثار پائے گئے جنکی تاریخِ بنا کے متعلق ہزارون سال سے بھی زائد روایت مشہور ہی چنانچہ سلطان محمود بن سبکتگین نے یہان ایک ایسا مقام دیکھا جسکے متعلق چار لاکھ سال کی روایت بیان کیجاتی ہی واللہ اعلم کہان تک صحیح ہی،

محدث موصوف کے زمانہ مین کالڈیہ اور مصر کے گذشتہ تہذیب کے مدفون آثارِ قدیمہ دریافت نہین ہوئے تھے اور نہ قدیم انسان کے "دورِ حجریہ" کے آلات پرانے غارون اور دریا کے دہانون سے کھود کر نکالے گئے تھے ورنہ وہ ضرور ان آثار کو اپنے دعوے کے ثبوت مین پیش کرتے اور ہندوستان کے مبالغہ آمیز افسانون کا حوالہ نہ دیتے،

بہرحال قدیم تاریخِ ارض کے دو خاص ماخذ ہین،

اول - طبقاتِ احجار یعنی تہ بتہ جمی ہوئی چٹانین جو آتشی اور آبی عمل سے مرتب ہوئین، انکے طبقات سے زمین کی عمر کا اندازہ کیا جاتا ہی،

دوم - آثارِ متحجرہ یعنی ان چٹانون مین جو نشانات نظر آتے ہین انکی نسبت پہلے یہ خیال تھا کہ یہ صرف قدرت کی گلکاریان ہین لیکن طبقات الارض اور علم الآثار کے ماہرین کی تحقیقات سے یہ ثابت ہوا کہ قرونِ ماضیہ مین نباتی اور حیوانی عالم کے افراد جو اپنی زندگی کے مدارج طے کرکے فنا ہوگئے، یہ انہین کی نشانیان ہین، کوئلہ کی کانون مین، کھریا مٹی کی پہاڑیون مین اور ان مقامات مین جہان زمین دہنس گئی یا جہان اُبھر آئی، یہ نشانیان جنسے گذشتہ زمانہ کی عجائبات کا فوٹو کھینچ جاتا ہی صاف نظر آتی ہین،

زمین کے قرونِ ماضیہ کے چار دور

ان دو ماخذ کی بنا پر قرونِ ماضیہ کی تاریخ کے چار دور قرار دیئے گئے، جن کا ہم ایک نقشہ جو اڈورڈ کلاڈ کی کتاب "ذکرِ تخلیق" کے باب چہارم سے اخذ کیا گیا ہی درج کرتے ہین،

ہر دور کے مخصوص ذی حیات کا نقشہ:

دور	طبقاتِ احجار	حیوانات	نباتات
دورِ اول یا دور "ماہی"	چھ قسم کے ابتدائی طبقات	اسفنج، مرجان، ایک قسم کی چمکدار مچھلیان، گھونگے، عظیم الجثہ بچھوے وغیرہ،	بے برگ و بار سبزہ
دورِ ثانی یا دور "ہوام الارض"	تین قسم کے طبقات	مہیب اور ہولناک بحری اژدہے، عظیم الجثہ چھپکلیون کی شکل کے پردار جانور جنکے دانت گھڑیال کی طرح ہوتے تھے،	تناور اشجار از قسم خرما،
دورِ ثالث یا دور "ذوات الثدی"	"	دودھ پلانے والے جانور، وہیل مچھلی، سانپ، بندر، نسناس یا بن مانس	ہرے ہرے درخت اور جھاڑیان
دورِ رابع یا دور "انسان"			موجودہ انواع نباتات
ا- دورِ اول	ایک قسم	ہاتھی کی قسم کے منہ مین دانت رکھنے والے "جانور ستودان" اور ممیط فیل تخمی اسد کہفی، وحشی انسان جو پتھر کے اوزار استعمال کرتا تھا،	
ب- دورِ آخر یا انسان کا تاریخی دور	"	موجودہ انواع حیوانات،	"

بظاہر ہر دور جداگانہ معلوم ہوتا ہی لیکن حقیقت مین ایک کا سلسلہ دوسرے سے ملا ہوا ہی اور ہر
نوع کا ظہور اور ارتقا بتدریج لاکھون برس مین عمل مین آیا ہی، اگرچہ سر چارلس لائل نے اپنی مشہور کتاب
طبقات الارض مین جو ۱۸۳۰ء مین شائع ہوئی یہ مسئلہ طے کر دیا کہ طبقات زمین کا وجود باقاعدہ تسلسل کے
ساتھ تدریجاً عمل مین آیا ہی، پھر بھی انواع ذی حیات کے متعلق وہی پرانا خیال قائم رہا کہ ہر نوع علٰحدہ علٰحدہ
اور یکایک ظہور مین آئی اور یہ کہ ایک کا دوسرے سے کوئی تعلق نہین ہی،

فرانس کے مشہور سائنس دان لمارک نے اگرچہ ۱۸۰۹ء مین یہ اصول قائم کئے تھے کہ
"ماحول" یعنی گرد و پیش کے طبعی اثر اور اعضا کے استعمال یا عدم استعمال سے انواع کا ارتقا عمل مین
آیا ہی اسلئے ہر دور کے انواع کا ایک دوسرے سے ارتقائی تعلق نظر آتا ہی لیکن چونکہ اسوقت تک علم الحیات
اور علم الآثار کے معلومات وسیع نہین ہوئے تھے اسلئے لمارک کے اس خیال کی کسی نے تائید نہ کی اور یہ مسئلہ
یون ہی لاینحل رہا لیکن جب چارلس ڈارون نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب "اصل انواع" ۱۸۵۹ء مین شائع کی
تو علمی دنیا مین ایک ہلچل مچ گئی،

سیرۃ نبوی

سیرۃ نبوی کے اہتمام طبع کے متعلق اکثر حضرات کے تقاضے کے خطوط آتے رہتے ہین بحالت یہ ہی کہ
کاغذ کی گرانی بلکہ نایابی نے تمام کاروبار سرد کر رکھا ہی، جلد اول جو زیر طبع ہی اُسکے پانچسو صفحے مین پونے
دو سو صفحے چھپنے پائے تھے کہ کاغذ کی نایابی شروع ہو گئی، سیرۃ مین جن اصناف کے کاغذ لگے ہین وہ
تمامتر مفقود ہین، بڑی مشکل سے جان ڈکنسن نے کچھ کاغذات بہم پہونچائے ہین، تلاش جاری ہی، جو کاغذ
ملا ہی اُسکی قیمت ؏۲۵ روپیہ رم ادا کی گئی ہی، اب صرف کاغذ کے لئے تین ہزار کی ضرورت ہی، تاہم دفتر
سیرۃ نبوی اپنے کام مین ساعی اور کوشان ہی کہ حصہ اول جلد چھپکر تمام ہو جائے،

لاہور کا مشہور فارسی شاعر

مسعود سعد سلمان

ترجمہ شیخ عبدالقادر ایم اے پروفیسر الفنسٹن کالج بمبئی

مرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی ان نادر الوجود علمائے ایران مین ہین جو السنہ شرقیہ کی مہارت کے ساتھ ساتھ فرانسیسی
زبان پر نہایت کامل عبور رکھتے ہین، اور مدت سے صرف تحقیق و کاوش علمی کے لئے عمر کا بڑا حصہ یورپ مین گذار رہے
ہین، مرزا موصوف کی غیر معمولی قابلیت کا اس سے اندازہ ہوگا کہ وہ مستشرقین یورپ کے پہلو بہ پہلو گب میموریل سیریز
مین کام کر رہے ہین، پروفیسر براؤن کے ساتھ مل کر لباب الالباب عوفی، تذکرۃ الاولیا عطار، چہار مقالہ نظامی
عروضی وغیرہ کو نہایت محنت اور سلیقہ سے ایڈٹ کیا ہی،

تذکرہ نویسی مسلمانون کا مخصوص فن ہی اسلئے شاید یہ عربی ہی زبان کے ساتھ مخصوص بھی رہی، مسلمان
ایران و ہندوستان آئے لیکن فارسی اور ہندی مین تاریخ کا صحیح مذاق پیدا نہ ہو سکا، اس کا یہ نتیجہ کہ فارسی کے بڑے بڑے
شعرا کے حالات تک محض بازاری گپون کا مجموعہ ہین، شعرا دنیا کے دیگر ارباب تصنیف سے الگ حیثیت رکھتے ہین،
مصنفین دوسرون کو سمجھاتے ہین، اور وہ خود اپنے کو سمجھتے ہین، اس بنا پر شعرا اپنے واردات و حالات کا بڑا
حصہ اپنی تصنیف مین ذکر کر دیتے ہین، اگر کوئی زحمت اُٹھائے تو اُنکے احوال زندگی خود اُنکے دیوان سے جمع
ہو سکتا ہی، یورپ مین بہت سے مستشرقین نے فارسی شعرا کی تاریخ زندگی و حالات اسی طرح جمع کئے ہین اور
اسکو "مونوگراف" کہتے ہین، ذیل کا مضمون مرزا صاحب کے قلم سے مسعود سعد سلمان پر مونوگراف ہی، پروفیسر
براؤن نے اسکو انگریزی مین منتقل کر کے رائل ایشیاٹک سوسائٹی مین شائع کرایا تھا، ہمارے مخدوم دوست
پروفیسر عبدالقادر اسکو اردو مین منتقل کرتے ہین،

لاہور کو مسعود پر اُسی قدر ناز ش ہی جسقدر دہلی کو خسرو پر، لیکن افسوس ہی کہ

لاہورنے دہلی کی قسمت نہین پائی اور مسعود خسرو جیسی شہرت کا مالک بن سکا، بلکہ تعجب انگیز امر یہ ہی کہ لوگ اسکو ہندوستان سے چہین کر ایران و ترکستان کو اسکے مولد کا شرف دیتے ہین، اس مونوگراف مین دلائل قطعی سے یہ ثابت کیا گیا ہی کہ مسعود کی فرزندی کا حق اسی، اور ہند کو ہی،

پروفیسر براؤن کی تمہید :

ذیل کا محققانہ آرٹکل (جو ایک ایسے فارسی شاعر کے متعلق ہی جو گیارہوین صدی عیسوی کے اخیر نصف مین اور بارہوین کے اوائل مین تھا اور جوباوجودیکہ اسکے ہمعصر لوگ اسکی بہت عزت کرتے تھے، یورپ مین کم مشہور ہی) ایک میرے فاضل دوست مرزا محمد قزوینی کا لکہا ہوا ہی، مرزا صاحب ممدوح فارسی اور عربی کے نوادر تحصیلات سے ماہر ہین اور دقیقہ رسی جیسی نادر صفت سے موصوف، فی الحال ۱۹۰۵ سے چہار مقالہ کا متن صحیح اور درست کرنے مین اور اسپر حواشی لکھنے مین مشغول ہین، انشاء اللہ جب متن صحیح ہو جائیگا تو وہ کتاب ای - جی - ڈبلیو - گب، (E. J. W. Gibb) میموریل کے ٹرسٹیون کی طرف سے شائع کیجائیگی،

مرزا صاحب کو اثنائے مطالعہ مین ایسے بہت سے واقعات اور حالات ہم پہونچے کہ بسبب طول اور طویل ہونیکے چہار مقالہ کے حاشیہ مین داخل نہین ہو سکتے، انہین اسباب سے ذیل کے آرٹکل کا سامان مہیا ہو گیا جسکو کہ قلمی نسخون سے اخذ کرکے یہ آرٹکل مرتب کیا گیا اور اسکو انگریزی لباس پہنا کے اس جرنل کے پڑہنے والونکے سامنے بغیر کسی عذر کے پیش کرتا ہون کیونکہ اسی قسم کے احتیاط سے لکھے ہوئے مونوگرافون سے آیندہ ایران کی لٹریری تاریخ مرتب ہو سکتی ہی، مگر افسوس کی بات ہی کہ ابتک ایسے مونوگرافس بہت کم ہین گو باخر (Bacher) کا قابل تحسین مونوگراف نظامی گنجوی پر، خانی کاف (Khanikof) کا خاقانی پر، ژوکاوسکی کا انوری پر، اتہے (Ethe) کے ناصر خسرو، رودکی، کسائی وغیرہ پر اور چند اور دیگر شعرا پر موجود ہین مگر اس سے پہلے کہ ایران کے اول درجہ ہی کے شعرا کا حال قلمبند کیا جائے، بہت کچھ کرنا باقی ہی اسواسطے کہ یہ تذکرے جن پر ہم کو آج بہت کچھ اعتماد کرنا پڑتا ہی یا تو عوفی کے لباب الالباب جیسے، اخیر درجہ کے روکھے اور بے نمک یا دولت شاہ کے تذکرے جیسے) بالکل غیر محققانہ اور ناقابل اعتبار ہین، انکو اسی وقت قریب قریب اصلی حقیقت کے تسلیم کر سکتے ہین، جسوقت ان مین لکھے ہوئے احوال کا مقابلہ خود شاعر کے کلام مین پریشان افتادہ معلومون کو اور اشارتون کو اور اسکے معاصرین اور پس آیندگان متقدمین کے مذکورات کو جمع کرکے اسکے ساتھ کیا جائے،" ان مختصر تمہیدی الفاظ کے بعد مین اپنی جگہ مرزا محمد کو گفتگو کا موقع دیتا ہون،

مسعودِ سعد سلمان[لہ] پانچوین صدی ہجری کے نصف اخیر اور چھٹی کے اوائل کے شعرائے کبار مین ہی، اس شاعر کی سب سے بڑی خوش قسمتی یہ ہی کہ اسکا کلام دوسرے بہت قدیم شعرا کی طرح مفقود نہین ہی اور اسوقت تقریباً اسکے بارہ تیرہ ہزار اشعار موجود ہین، اس مشہور شاعر نے فن شعر کے دو صنف یعنی قصیدہ اور مرثیہ مین بالخصوص کامیابی حاصل کی ہی، صنف ثانی مین ان نظمون کو شامل کرنا چاہیے جنکو اسنے اپنی قید کے زمانہ مین لکھا اور جو "حبسیات" کے نام سے مشہور ہین، قصیدہ مین اسکے بہت سے ہمچشم اور حریف ہین جن مین سے بعض مثلاً عنصری، ابوالفرج رونی، انوری وغیرہ اس میدان مین اس سے بہت آگے نکل گئی ہین مگر دوسری صنف یعنی مرثیہ کے میدان کا وہ تنہا مرد ہی،

رشید الدین وطواط، حدایق السحر مین کہتا ہی[ے] "فارسی زبان کا کوئی شاعر حسن معانی، اور نازک بیانی مین مسعود سعد سلمان کے برابر نہین ہوا" اس نامور شاعر کی زندگی کے حالات بہت کم معلوم ہین - تذکرہ نویس اکثر نہایت ضعیف سندون پر اعتماد کرکے بالکل متناقض واقعات بیان کرتے ہین، اسکے مولد و منشا، زمانہ ترقی، ایام قید، اور دیگر واقعات جنکا تعلق اسکی زندگی کے ساتھ ہی، انکے بیان مین بہت ہی مختصر اور مشکوک مقدمے پیش کرتے ہین، انکے لکھے ہوئے حالات پڑھنے کے بعد جو باتین معلوم ہوتی ہین انکی اگر محققانہ تفتیش کیجائی

لہ یعنی مسعود بن سعد بن سلمان، باپ بیٹے کا رشتہ اضافت کے ذریعہ سے بتلایا ہی اکثر ان فارسی کتابون مین جو ۱۱-۱۲-۱۳ عیسوی صدیون مین تصنیف ہوئی ہین مثلاً تاریخ بیہقی، قابوس نامہ، لباب الالباب، جوامع الحکایات، طبقات ناصری، تذکرۃ الاولیاء عطار، یہ فارسی زبان عام طور پر استعمال کیا گیا ہی اور اسکے منتخبہ مین جو عربی ابن ہے وہ بہت کم آیا ہی، ے بالفاظ غلام علی آزاد نے اپنی سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان مین گو حدایق السحر سے نقل کیے ہین،

توجو کچھ اس شاعر کے حالات، وطن اور دیگر سوانح زندگی کے متعلق مستنبط ہوتا ہی وہ دو ہی سطرون مین جمع ہوسکتا ہی، اور گو کہ اُس کا دیوان ہمیشہ دستیاب ہوتا رہا اور کمیاب و نادر نہین ہوا، اور گو خود شاعر کا کلام اُسکے بایوگرافر کے لکھے ہوئے حالات سے زیادہ مستند ہی، مگر پھر بھی کسی نے اُسکے دیوان کا معائنہ اس لحاظ سے کہ صحیح اور راست واقعات معلوم ہون نہین کیا،

اُسکی سوانح عمری کے قدیم اور معتبر ماخذ ہمارے پاس صرف دو ہی ہین، چہار مقالہ کی چند سطرین جو نظامی عروضی سمرقندی نے اُسکی قید کے ضمن مین لکھی ہین، اور وہ مختصر حال جو **عوفی** نے لباب مین ثبت کیا ہی، اور جو خود غلطیون سے خالی نہین، جیساکہ آئندہ معلوم ہوگا، اِنہین چند سطرون پر اُن دیگر تذکرون کا دارومدار رہا ہی، جن مین کم و بیش اور خلط ملط کے ساتھ مسعود کا حال درج ہی، مثلاً ہفت اقلیم، ریاض الشعراء، تذکرۂ تقی کاشی، آتشکدہ، مجمع الفصحاء، بزم آرا، میخانہ، اِن سب کو ایک ہی کتاب شمار کرنا چاہئے کا اتحاد معلومات کی بناپر اُنمین سے ایک کا پڑھ لینا سب کا پڑھ لینا ہی، دوسرون نے جو مثلاً دولت شاہ جیسے ہین، مسعود کے بایوگرافی مین جو خالی مقامات ہین اُنکے بھرنے کے لئے بہت سی اختراعی باتین لکھدی ہین، فارسی کے تمام تذکرہ نویسون مین میرے قیاس کے مطابق **دولت شاہ** بے سند اور لغو باتون کے لکھنے مین بہت زیادہ مشاق ہی، مجھکو مسعود کی سوانح نگاری کے لئے بہترین طریق یہ نظر آیا کہ ان تذکرہ نویسون کی تمام دورازکار گپون کو نظرانداز کرکے معلومات کی بنیاد صرف شاعر کے دیوان لہ پر رکھی جائے کہ جو کچھ اُسکے خوشہ چینی سے ملیگا وہ دوسرون کے ہزارون خرمن سے گران تر ہوگا،

عام حالات | دیوان مسعود کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہی کہ اُس کا تمام خاندان علم و فضل و ہنر و جاہ مین ہمیشہ ممتاز رہا ہی، وہ خود ایک قصیدہ مین کہتا ہی:

شکر و منت خدائے عالم را ... کہ مرا داد از ہنر چندان
کہ ہمہ مردمان ہمے گویند ... بہمہ گیتی آشکار و نہان
سعد مسعود را ہمان داد ست ... از براعت کہ سعد راسلمان

دوسری جگہ لکھتا ہی

گرچہ اسلافِ من بزرگانند ... ہریک اندر ہنر یکے اُستاد
نسبت از خویشتن کنم چو گہر ... نہ چو خاکسترم کز آتش زاد

اور بھی کہتا ہی:

اگر رئیس نیم یا حمیدہ زادہ نیم ... ستودہ نیست واصلم زدودہ فضلاست

فی الحقیقت وہ بہت بڑا شاعر اور صاحب علم تھا، اُسکے دیوان کا ایک سرسری مطالعہ اس بات کو واضح کرکے بتا سکتا ہی کہ وہ تعقید لفظی کو کسطرح ادا کرتا ہی، اور نادر مضامین کو الفاظ سے کسطرح ترکیب دیتا ہی، وہ ایک مشہور اور ممتاز شاعر ہونے کے ساتھ بڑا بہادر اور بردل تھا، اِن مناقب پر اس ناموری کا باب اور اضافہ کرنا چاہئے جو اُسنے اپنے اُس کریمانہ قدردانی اور فیاضانہ سلوک مین حاصل کی تھی، جو وہ اپنے ہمعصر شعراء اور دیگر اشخاص کے ساتھ جو اُسکے ملاقات کو آتے کیا کرتا تھا،

مزید براین وہ اپنے وقت کے اُمراء اور وزراء اور مدبرانِ مملکت کے زمرہ مین بھی ممتاز تھا بجائے اِسکے کہ اسکا ذکر امراء کے باب مین آئے، **عوفی** نے اُس کا تذکرہ **غزنی** اور **لاہور** کے شعراء کے ضمن مین کیا ہی، اِسلئے معذرت کرتے ہوئے وہ لکھتا ہی:

"چاہیئے تھا کہ اس کا ذکر امرائے ملک کے زمرہ مین کیا جاتا، مگر چونکہ اُسکے اشعار ہر دوسرے شاعر کے اشعار سے زیادہ ہین اسلئے اُسکو طبقۂ شعراء مین شمار کیا گیا۔"

لہ جن ماخذون سے مین نے اشعار نقل کئے ہین وہ حسب ذیل ہین، اسعود کے دیوان کے دو قلمی نسخے جو برٹش میوزیم مین محفوظ ہین، دوم تقی کاشی کے تذکرہ مین کے منتخبات، سوم رضا قلی خان کے مجمع الفصحاء مین درج کئے ہوئے انتخابات، چہارم، طہران مین چھپا ہوا دیوان جو مکمل لیا ہی، چند قصائد جو اس مین نہین ہتے، وہ مذکورہ بالا چار ماخذون مین موجود ہین،

اور یہ بھی کہتا ہی کہ،

"اُسنے ہندوستان مین معرکۃ الآرا کام کئے جنھون نے اسکی سخاوت اور کرم کا آوازہ پھیلا دیا، ایک رباعی یا قطعہ کے صلہ مین کاروان بار دولت عطا کی،"

مگر اسکے فضائل کا بہترین بیان مُختاری[1] کے ایک قصیدہ کے ان اشعار مین موجود ہی:-

مخدوم سخن پروران مجلس	سر دفتر خوان گستران میدان
طبعش بسخن دہ ہزار دریا	دستش بسخا صد ہزار خیدان
خورشیدی و ماہی بصدر مجلس	بہرامی و تیری بزرم و دیوان
ہم صاحب عبّا[2] در روزگاری	ہم رستم زالِ زری بدستان

اُسکے منظومات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہی کہ وہ ذواللسانین یعنی فارسی اور عربی دو زبانون کا ماہر تھا اور ایک ہی سہولت کے ساتھ وہ اِن دونون زبانون پر قابو رکھتا،

زبانِ دولت عالی بہ بندہ داد پیام	کہ اے ترا دو زبان فارسی و تازی رام

ایک دوسرے قصیدہ مین لکھتا ہی:

منم کاندر عرب و ندر عجم کس	نباشد چون من از چیرہ زبانی
بدین ہر دو زبان در ہر دو میدان	بگردونم رسیدہ کامرانی
گر افتد مشکلے در نظم و در نثر	ز من خواہد زمانہ ترجمانی،
بجود آرد بہ پیشِ خاطرِ من	روانِ رودکی و ابن ہانی[3]

[1] یعنی عثمان مختاری غزنوی جسکی تعریف مین سنائی کا ایک مشہور قصیدہ ہی اور جس کا مطلع یہ ہی:

نشود چشمِ دو خورشید دو دہ تاری و تیر
گو بود لمعۂ از خاطرِ مختاریٔ پیر

[2] صاحب اسماعیل بن عباد، آل بویہ کے موید الدولہ اور فخر الدولہ بادشاہون کا مشہور وزیر اور ایک نامور فاضل اور اہل علم و فضل کا مربی، ۹۳۶ء مین پیدا ہوا اور ۹۹۵ء مین وفات پائی، [3] ابونواس،

دوسرے مقام لکھتا ہی:

کس ار بپارسی و تازی امتحان کردی	مرا مبارز میدان امتحان شدی

ایک اور جگہ کہتا ہی:

تا بتازی و پارسی طبعم	بسبر ہر زبانت بستودہ است

اب ہم تذکرہ نویسون کے اس بیان پر آتے ہین جو اُنھون نے **عوفی** کی سند سے لکھا ہی، یعنی یہ کہ مسعود سعد سلمان کے تین دیوان تھے، فارسی، عربی اور ہندی، پہلا تو بالفعل موجود ہی، دوسرے کے متعلق کچھ شک نہین کہ اُسنے عربی مین شعر کہے ہین جیسا کہ ان دو باتون سے معلوم ہوتا ہی اول اشعار مذکورۂ بالا سے اور دوسرے رشید الدین وطواط کی حدائق السحر سے جس مین اُسنے ثبوت مین مسعود کے کئی عربی اشعار نقل کئے ہین، لیکن اُسکے ہندی دیوان کے وجود مین ہمکو بہت کچھ شک ہی اور غالباً سچا گمان ہو سکتا ہی کہ وہ دیوان کبھی موجود ہی نہ تھا، مین اس قول کو اِس دلیل پر قرار نہین دیتا کہ وہ ہندوستان کا باشندہ نہ تھا، اور جو ہندوستان کا باشندہ نہین وہ ہندوستانی زبان مین شعر نہین کہسکتا، جیسا کہ علی قلی والہ داغستانی[1] نے اپنے ریاض الشعرا مین دعوے کیا ہی، کیونکہ آگے چل کر صاف معلوم ہو جائیگا کہ وہ ہندوستان ہی کا باشندہ تھا اور لاہور مین پیدا ہوا تھا، بلکہ اس بنا پر کہتا ہون کہ اول تو عوفی کے الفاظ کے سوا جنکو تمام پچھلے لوگون نے دُہرایا ہی کسی اور دلیل اور شاہد سے مُدلّل نہین اس تکرار و اعادہ سے یہ نتیجہ نہین نکالنا چاہیئے کہ یہ ایک عام اور مشہور بات تھی، اور یہ بھی خیال نہین کرنا چاہی کہ تنہا عوفی کا کہنا ایک مقدمہ کو بغیر کسی مُستقل دلیل کے ثابت کرنے کے لئے کافی ہو سکتا ہی، اور دوسرے اِس بنا پر کہتا ہون کہ مسعود اپنے قصائد مین قریب دس متفرق مقامات پر فخریہ یہ کہتا ہی کہ

[1] اس زمانہ کے دوسرے بہت سے فارسی شاعرون کی طرح مسعود نے بھی عربی اور فارسی دو زبانون مین شعر کہے، اور صرف اتنی ہی بات علی قلی کی دلیل کو باطل ٹھہرا سکتی ہے، کیونکہ کوئی دعوی نہین کر سکتا کہ مسعود کی مادری زبان عربی تھی، یا عربی ہندوستانی سے آسان تر زبان ہے،

مین عربی اور فارسی دو زبان کا استاد ہون، اگر (بالفرض صداقت قول تذکرہ نویسان) تعجب ہی کہ وہ ہندی زبان کا ذکر تک نہین کرتا اور یہ نہین کہتا کہ مین تین زبانون کا اُستاد ہون، یہ بھی نہین کہسکتے کہ فروتنی اور خود فروشی سے اُس نے ہندی کا ذکر عمداً چھوڑ دیا ہی، کیونکہ اُن منظومات مین جنمین شاعر کا مقصد ہی تفاخر اور تعلی ہو، ایسے خیالات بالکل بے جا ہین، اس بنا پر بعید از قیاس معلوم ہوتا ہی کہ ایک شخص اپنی دو دو زباندانی کا فخر کرے اور تیسری زبان کو جانتے ہوے اُس پر پردہ ڈالدے،

اس شاعر کے حالات زندگی کے ساتھ جو دوسری باتین والبستہ ہین، اُنکا علٰحدہ علٰحدہ عنوان سے ذکر کرنا بہتر ہی مثلاً وہ کہان پیدا ہوا؟ کس زمانہ مین تھا؟ اُسکی زندگی خود کئی حصّون مین منقسم ہوتی ہی اول زمانہ عیش و امن، دوم زمانہ حبس و قید (یہان یہ امر بحث طلب ہی کہ وہ کہان قید کیا گیا اور کیون اور کس تہمت پر محبوس کیا گیا) سوم جس مین اُسنے ملازمت کو ترک کرکے گوشہ نشینی اختیار کی، اور بہرام شاہ کے مدح مین نظمین لکھین، اور اخیر مین اُسکے ہمعصر شعرائے کبار کے بارے مین بھی جنکا خود اُس نے اپنے شعرون مین ذکر کیا ہی، ہمین کچھ کہنا ہی،

مولد و منشاء مسعود سعد سلمان کی پیدائش کا مقام جیسا کہ اُسکی نظمون مین بوضاحت مندرج ہے، نہ تو ہمدان ہی نہ جرجان نہ غزنین (جیسا کہ مختلف تذکرہ نویسون نے لکھا ہی) بلکہ لاہور[1] ہی ہی جسکو ہم ابھی اُسکے مختلف اشعار کو نقل کرکے ثابت کرینگے،

اُسکی نظمون سے معلوم ہوتا ہی کہ اُسکا باپ سعد سلمان ساٹھ برس تک شاہان غزنین کی خدمت مین رہا ہی، اور لاہور اور ہندوستان کے دوسرے حصّون مین بہت سی جائداد کا مالک تھا اُسکی وفات کے بعد حکام و عمال نے بہ ظلم مسعود سے یہ جائداد لی، مسعود داد خواہی کے لئے غزنین پہونچا

[1] مجھے کوئی مصنف ایسا نہین ملا کہ جسنے اس حقیقت کو سمجھا ہو اور ہمارے شاعر کو لاہور سے منسوب کیا ہو بجز غلام علی آزاد کہ جسنے اپنے سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان مین اس کا ذکر کیا ہی، (بقول مسٹر ان - بلاشبہ Blumhardt) صاحب یہی بیان خزانہ عامرہ مین بھی ہی مگر اس قول کی تصدیق مین نہین کرسکا کیونکہ برٹش میوزیم مین جو خزانہ عامرہ کا قلمی نسخہ موجود ہی وہ ناقص ہی،

مگر یہان اُسکے دشمنون نے اُس پر غلط الزامات (جنکا ذکر ابھی آئیگا) قائم کئے جنکے باعث وہ معرض بدگمانی مین آیا اور سلطان ظہیر الدولہ رضی الدین ابراہیم بن مسعود بن محمود غزنوی کے حکم سے محبوس کیا گیا، ہندوستان مین اُسنے اپنی ضعیف العمر مان، ایک بیٹا، ایک بیٹی، دو بہنین اور تقریباً چالیس دیگر اعزہ کو چھوڑ کر گیا تھا، جو اسکے بعد فقر و فاقہ اور تنگدستی کے باعث گریہ و زاری کے ساتھ کئی سال تک اس بیچارے کی خلاصی کے منتظر رہے،

سلطان ابراہیم کی مدح مین اُسنے ایک قصیدہ لکھا ہی جسمین بادشاہ کی تعریف اور اپنی قید پر اظہار تاسف کے بعد کہتا ہی:

شصت سالِ تمام خدمت کرد   پدر بندہ سعد بن سلمان

گہ باطراف بودی از عمّال   گہ بدرگاہ بودی از اعیان

دخترے خورد دارم و پسرے   با دو خواہر بہوم ہندوستان

دختر از اشک دیدہ نا بینا   پسر از روزگار سر گردان

سی چہل تن ز خویش و از پیوند   بستہ در راحت تو جان و روان

ہمہ خواہان ملک و دولت تو   در سعادت ز ایزد سبحان

اے رہانندہ خلق را ز بلا   زین بلا بندہ را تو باز رہان

با امید آمدم بحضرت[1] شاہ   راہ زد بر امید من حرمان

دوسرے قصیدہ مین (جسکا باقی حصہ آگے نقل کیا جائیگا) سلطان ابراہیم کے عہد مین

[1] حضرت سے مراد یہان غزنین ہے کیونکہ قدما کے محاورہ مین حضرت بمعنی پایہ تخت یا دار الملک آیا ہی اسی طرح عرب مورخین نے اس لفظ کو بغداد کے لئے استعمال کیا ہی، اور الثعالبی جو آل سلمان کا ہمعصر تھا اپنے یتیمۃ الدہر مین ہمیشہ بخارا کو حضرت کے لفظ سے تعبیر کرتا ہی اور مسعود اسی لفظ کو غزنین کے لئے بار بار لاتا ہی، مثلاً اس قصیدہ مین جسکے شروع کے اشعار یہ ہین،

ز شاہ بینم دلہاے اہل حضرت شاد   ہزار رحمت بر شاہ و اہل حضرت باد

من این نشاط کہ دیدم ز خلق در غزنین   بدید خواہم تا روز چند در بغداد

جو حبس کی تکلیفین سہی تھین اُنکو اور آخر شاہ نے جسطور پر اُسکی رہائی کی اُسکو بیان کر کے سلطان علاءالدولہ مسعود بن ابراہیم کی تعریف مین کہتا ہی:-

عفو سلطان نامدار رضی[ا] — بر شب من فگند نورِ قمر

التفاتِ عنایتش برداشت — بار رنج از تنِ من مضطر

سوے مولد کشید ہوش مرا — یو بہ دختر و ہوائے پسر

چون بہ ہندوستان شدم ساکن — بر ضیاع و عقار پیر پدر

بندہ بونصر بر گماشت مرا — بعمل ہمچو نائبانِ دگر

ایک قصیدہ مین جسمین "خاصۂ شاہ شرق" کی تعریف کی ہی وہ کہتا ہی، اور "خاصۂ شاہ شرق" سے ظاہر اً مراد علی ہی جو سلطان ابراہیم کا مصاحب خاص تھا،

اے خاصۂ شاہ شرق فریاد — چرخم بکشید ہے زبیداد

چند شعرون کے بعد پھر کہتا ہی،

در دلیشی و نیستی ز لوہور[۲] — بر کندو بحضر تم فرستاد

تان پارۂ خویشتن بجستم — از شاہ ظہیر دولت و داد

این رنگ بجز عدو نیا میخت — این بہتان جز حسود ننہاد

از بہر خدائے دست من گیر — کز پائے تن من اندر افتاد

ایک اور قصیدہ مین جو علی خاص کی تعریف مین ہی، اپنی قید خانہ کی حالت بیان کرنیکے بعد کہتا ہی:

اگر نبودی تیمار آن ضعیفہ زال — کہ چشمہاش چو ابر است و تنگ چون بلبلان

ا سلطان رضی اور سلطان ظہیر الدولہ سے مراد سلطان ابراہیم غزنوی ہے، ۲ معارف: قدما لاہور کو مختلف طرز املا سے لکھتے تھے مثلاً لوہور، لوہار، لاؤہور، لہاوور، لوہاوور، لوہور،

خدائے داند اگر غم نہادے بر دل — کہ حال گیتی ہرگز ندیدہ ام یکسان

ولیک زالی دارم کہ در کنار مرا — چون جان شیرین پرورد و مرد کرد و کلان

نہ لبت او را ہرگز خیال و نندیشید — کہ من بقلعۂ سو مانم او بہندوستان

ایک دوسرے قصیدہ مین کہتا ہی:

رسید عید و من از روی حور دلبر دور — چگونہ باشم بے روے آن بہشتی حور

مرا کہ گوید کای دوست عید فرخ باد — نگارِ من بہ لہاوور و من بہ نیشاپور

چہ یاد شہر لہاوور دیارِ خویش کنم — نبود کس کہ شد از شہر و یار خویش نفور

مرا بہ است بہر حالی و بہر و جہے — جمال حضرت غزنین ز شہر لوہاوور

ایک دوسرے قصیدہ مین جو تمام اہل لاہور کو مخاطب کر کے اُسنے لکھا ہی اور جسمین وہ اپنے اُن ایام کی پُر غم یاد کرتا ہی جو اس نے اس وطن مین گذارے تھے، کہتا ہی:

اے لاوہور ویحک بی من چگونہ؟ — بے آفتاب تابان روشن چگونہ؟

تا این عزیز فرزند از تو جدا شدہ است — با دردِ او بنوحہ و شیون چگونہ؟

تو مرغزار بودی و من شیر مرغزار — با من چگونہ بودی بے من چگونہ؟

ایک دوسری نظم مین اپنی قید کی شکایت کے بعد کسی بڑے آدمی سے یہ التماس کرتا ہی،

کارِ اطلاق من چو بستہ بماند — کہ ہمی ایزدش نبگشاید

مر مرا حاجتے ہمے باشد — وز دلم خارشے ہمے زاید

مخلی باید از خداوندم — کہ از او بوئے لوہور آید

کہ ہمی ز آرزوے لوہاور — جان و دل در تنم ہمے ناید

دوسری جگہ قید خانہ کی گندگی کی شکایت اور اپنے وطن مین اُسنے جو آرام پایا تھا اُسکی

حکایت کرتے ہوئے کہتا ہی:

گر با بہ سہ داشتم بہ لاہور | وین نزد ہمہ کس عیان است

امروز سہ سال شد کہ مویم | مانندۂ موئے کافران است

بر تارک و گوش و گردنِ من | گوئی ہمہ بند ترگران است

ایک اور مقام پر قید خانہ کے بیان کے بعد اپنے ملک کے اشتیاق مین کہتا ہی:

از زمانہ نہ کردہ ام گلہ | تاکہ دانستہ ام کہ مجبور است

مرمرا گاہ گاہ رنجہ کنند | ہمہ ام لو بہ لہاوور است

اُس رباعی مین جو اُسنے زندان مین کہی تھی وہ اپنا اشتیاقِ وطن یون ظاہر کرتا ہی:

دانی تو کہ ما بند گرانم یارب | دانی کہ ضعیف و ناتوانم یارب

شد در غم لوہور روانم یارب | یارب کہ در آرزوی آنم یارب

مین خیال کرتا ہون کہ یہ انتخابات میرے دعوے کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہین اس بنا پر یہ بیت جو سیف الدولہ محمود بن ابراہیم کی تعریف کے ایک قصیدہ مین واقع ہی،

بہیچ نوع گناہے دگر نمیدانم | مرا جز اینکہ در این شہر مولد و منشاست

اور جسکو ریو (سعنہ) نے اپنے فارسی قلمی نسخون کی فہرست (صفحہ ۵۴۸) مین غزنین کی طرف منسوب کیا ہی، بغیر کسی شک و شبہہ کے لاہور کی طرف رجوع ہی، اول تو اسلئے کہ اوپر نقل کئے ہوئے انتخابات سے یہ صاف معلوم ہوتا ہی اور دوسرے اسواسطے کہ مسعود کے تمام قصائد جو اُسنے سیف الدولہ کی تعریف مین لکھے ہین، ہندوستان مین تصنیف ہوئے ہین، اسوقت سیف الدولہ لاہور کا حاکم تھا اور مسعود اسکے دربار کے ساتھ تعلق رکھتا تھا، اسی قصیدہ کا یہ شعر،

اگر بر ایشان سحر حلال بر خوانم | جز این نگویند آخر کہ کودک برناست

بھی اس امر کو ثابت کرتی ہی کہ یہ قصیدہ ہندوستان مین لکھا گیا کیونکہ اُسکے ایام طفولیت اور جوانی ہندوستان مین بسر ہوئے، اور بعد کو وہ غزنین پہونچا ہی جہان سے اُسکے مصائب کی داستان شروع ہوتی ہی،

اسی طرح اس بیت مین:

گر دل بطمع بستم شعر است بضاعت | ور احمقی کردم اصل از ہمدان است

جو ایک مشہور قصیدہ مین واقع ہی اور جو ثقۃ الملک طاہر بن علی بن مُشکان کی تعریف مین لکھا گیا ہی اور جسکا مطلع یہ ہی،

طاہر ثقۃ الملک سپہر است جہان است | نہ راست بگفتم کہ نہ این است و نہ آن است

اُس کا مقصد یہ ہی کہ اُسکا خاندان ہمدانی الاصل تھا اور یہ نہین کہ وہ وہان پیدا ہوا تھا، جیسا کہ چند تذکرہ نویسون نے اُن اشعار سے جنمین اُسنے اپنے کو لاہور کا باشندہ صاف صاف بتلایا ہے، تجاہل کرکے خیال کیا ہی، اِس بنا پر جب **عوفی** یہ کہتا ہی کہ (جلد ۲ صفحہ ۲۴۶) گو اس کا مولد ہمدان تھا وہ صریحاً غلطی پر ہی جس غلطی کا سبب مذکورہ بالا شعر ہی،

فی الحقیقت مجھے بالکل یقین ہی کہ مسعود کا باپ سعد بھی ہندوستان مین پیدا ہوا تھا، کیونکہ یہ خلاف قیاس ہی کہ جو شخص شاہانِ غزنین کی خدمت ساٹھ سال تک کرے اور اُنکے ملک کے صوبون کی نگرانی کرے، ایک اجنبی اور دور دراز ملک کا رہنے والا ہو، ظاہراً مسعود کے اجداد مین سے کوئی ہمدان چھوڑکر لاہور آکے بس گیا ہوگا، اس کا ثبوت اس مصرع سے ہوتا ہی،

کہ بندہ زادۂ این دولتم بہفت تبار،

دولت شاہ کا یہ کہنا کہ وہ جرجان کا باشندہ تھا بالکل بے ثبوت اور بے سند بات ہی اور مسلّم ہی کہ اس مصنف کی بے دلیل باتون کا ذرا سا بھی وزن اور اعتبار نہین ہو سکتا،

مسائل و فتاوی

مسئلۂ انتقال جائداد بنام اشخاص غیر مولود

گورنمنٹ آف انڈیا کے محکمۂ وضع قانون (لیجسلیٹو ڈپارٹمنٹ) نے غیر مولود اشخاص کی فلاح کے لئے ایک نیا مسودۂ قانون بغرض منظوری پیش کیا ہی جسکے رُو سے ممکن ہوگا کہ ہندو مسلمان اپنی اپنی جائداد کا بذریعہ ہبہ یا وصیت اسطرح انتظام کرین کہ نا زائیدہ اشخاص کے آئندہ حقوق کی حفاظت ہو سکے اور جب وہ پیدا ہون تو انکو مورث کی جائداد سے مورث کے حسب خواہش حصے مل سکین،

چونکہ یہ قانون مسلمانون سے بھی متعلق ہوگا، اور بڑی حد تک اُسکو مسلمانون کے قانونِ مذہبی سے تعلق ہی اسلئے گورنمنٹ نے ازراہ عنایت اس مسودہ کی نسبت علمائے اسلام اور اسلامی انجمنون سے استشارہ چاہا ہی، ہم نے بمبئی کی انجمن اسلام کی خواہش سے حسب ذیل خیالات اس مسودہ کے متعلق ظاہر کئے ہین:

ہمکو سب سے پہلے گورنمنٹ کے اس احسان کا اعتراف کرنا چاہئے کہ اُسنے رعایا کے [illegible] جو مجموعۂ قوانین تیار کیا ہی اسکا سر نمبر یہ قانون قرار دیا ہی کہ رعایا کے احکام مذہبی مین کسی نوع کی مداخلت جائز نہین رکھی جائیگی، یہ نہین کہنا چاہئے کہ اس عہد جدید کا اقتضا ہی یہ ہی کہ رعایا کو اُنکے مذہبی جذبات مین آزادی بخشی جائے، اسی زمین کے اوپر اور اسی آسمان کے نیچے جنوبی افریقہ کی آزاد ریاستین موجود ہین جہان مسلمانون کے لئے ایک سے زائد بیوی قانوناً ممنوع ہی، روس کی باجبروت حکومت بھی اسی کرہ پر واقع ہی جہان ایک مدت تک جہاد کی آیتین حکماً قرآن مجید سے خارج رکھی گئین، اسی عہد جدید اور اسی زمانۂ حادث مین ہولینڈ کی حکومت آباد ہی جسکے جزائر ہند مین مسلمانون پر قانونی حکام نہین مشنری پادری حکومت کرتے ہین، یہ صحیح ہی کہ حکومت ہند کے مجموعۂ قوانین مین متعدد ایسے

قانون موجود ہین جو منشائے فقہ اسلامی کے مخالف ہین لیکن حقیقت یہ ہی کہ اسکے لئے گورنمنٹ کو ملامت نہین کر سکتے بلکہ خود اپنے کو ملامت کرتے ہین، ہم پر ایک ایسی قوت حکمران ہی جو مذہب، قومیت اور عوائد و رسوم کے لحاظ سے ہم سے بالکل مختلف ہی، اس بنا پر ہر قدم پر اُس سے لغزشون کا صدور ممکن ہی، لیکن یہ ہمارا فرض ہی کہ ہم اُسکو اپنے مذہبی احکام و رسوم سے آگاہ کرین، وقف اولاد کے مسئلہ سے ہمکو یہ یقین ہو چکا ہی کہ وہ اپنی نادانستہ اغلاط کی اصلاح و تصحیح کے لئے ہمیشہ طیار ہی، پنجاب مین ایک مدت سے رواج اور شریعت کی بحث چھڑی ہی اگر گورنمنٹ پر سنجیدہ دلائل سے ہم یہ ثابت کر دین کہ ہم شریعت کی قوت کو رواج کی طاقت سے زیادہ پُرزور تسلیم کرتے ہین تو یقین ہی کہ گورنمنٹ کو اس معاملہ مین کوئی عُذر نہ ہوگا،

موجودہ مسودہ ابتک زیر تجویز ہی، گورنمنٹ ہم سے مشورہ طلب ہی، اگر ہم اپنے مذہبی احکام سے اسکو آگاہ نہ کرین اور بالآخر یہ قانون بنجائے تو یہ کسکی غلطی شمار ہوگی،

گورنمنٹ نے ہندوستان مین، مسلمانون کے قوانین مذہبی کی واقفیت کا ذریعہ فقہ حنفی کی اُن چند کتابون کو قرار دیا ہی، جو انگریز یا بنگالی قانون دانون نے اصلاً عربی سے ترجمہ کر دیا ہی یا اُن کو سمجھ کر خود اپنی طرف سے فقہ اسلامی پر کتابین لکھدی ہین، اولاً تو فقہ مختلف مجتہدین و فقہائے اسلام کی تحقیقات کا نتیجہ ہی جسمین صحت کا مدار دلائل شرعی کے استحکام پر ہی، نہ چند مصنفین کی ذاتی تحقیقات پر، اس بنا پر صرف چند کتابون کے تراجم اور خلاصون پر قناعت کرنا حقیقت رسی نہین ہی، اور اگر یہ طرز روش صحیح بھی ہو تو غیر مُسلم بلکہ غیر عربی دان اشخاص کے تراجم و تالیفات کہان تک شریعت اسلامی کی صحیح ترجمانی کر سکتی ہین، اسکی متعدد مثالین خود اسی مسئلہ زیر بحث مین آپکے سامنے ہین،

سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ شریعت اسلامیہ کے رُو سے ہبہ اور وصیت مین کیا فرق ہی؟

ہبہ: اس انتقالِ جائداد کو کہتے ہین، جو ایک شخص (واہب) کسی دوسرے کے نام (موہوب لہ

بلا معاوضہ کرتا ہی، اور دوسرا (موہوب لہ) اسکو قبول کر کے پہلے شخص (واہب) کی زندگی ہی مین اس پر
قبضہ کر لیتا ہی،

وصیت، اس انتقال جائداد کو کہتے ہین جو ایک شخص (موصی) دوسرے شخص (موصی لہ)
کے نام کرتا ہی، دوسرا شخص (موصی لہ) پہلے شخص (موصی) کی وفات کے بعد اُس پر قبضہ کرتا ہی،
دونون صورتون مین فرق یہ ہی کہ پہلے طریقۂ انتقالِ جائداد کا نفاذ معطی کی زندگی ہی مین ہوتا ہی
اور دوسری صورت مین اسکی وفات کے بعد،

اس تفصیل سے خود بخود واضح ہو گیا کہ شخص غیر مولود کے حق مین ہبہ کی صورت قانوناً ناممکن ہی،
اسکے بعد بلا معاوضہ انتقال جائداد کی دو صورتین ہین، وصیت اور وقف، پیش کنندۂ قانون
نے یہ فرض کیا ہی کہ فرزند غیر مولود کے حق مین، شریعتِ اسلام دونون صورتون کو ناجائز قرار دیتی ہی:

" ہندوؤن کے قانون کے مطابق جو فی الحال برٹش انڈیا مین رائج ہی ایسے شخص کی فلاح کے لئے جو "
" وقف کرنیکے وقت زندہ نہ ہو کسی قسم کا انتظام ناجائز ہی اسی طرح کوئی وصیت ایسے شخص کیلئے "
" جو وصی کی موت کے وقت موجود نہ ہو جائز نہین اور یہی حال شریعت محمدی کا ہی، "

(الف) - وقف اولاد کی صورت مسئلہ جو عموماً تمام فقہائے اسلام کے نزدیک جائز ہی اور
جسکو خود گورنمنٹ نے ۱۹۱۳ء مین صحیح تسلیم کیا ہی، اُسکے لئے اولاد کا بروقت وقف پیدا ہونا ضروری
نہین آگے چل کر خود قانون ہذا کا پیش کنندہ بھی اُسکو تسلیم کرتا ہی،

"بجز اسکے کہ سنہ ۱۹۱۳ء کے وقف علی الاولاد کے قانون کے رُو سے ایک مسلمان ناپیدہ شخص کی بہتری
کے لئے دوام کے لئے وقف کا انتظام کر سکتا ہی بشرطیکہ علت غائی اس وقف کی خیرات ہو،
اسکے بعد واضعِ مسودہ کہتا ہی،

" ہر وکیل کو جو ہندوستانی کورٹون سے واقف ہی اس قسم کے اوقاف دو صیایا سے سابقہ پڑا ہو "

جو اولاد یا اولاد کی اولاد کی بہتری کے لئے کئے گئے ہون، بڑا منشا ایسی باتون مین واقف کا نہ
صرف یہ رہا ہی کہ موجودہ اولاد یا اولاد کی اولاد کے لئے اسباب مہیا کر جائین، بلکہ انکے لئے بھی
انتظام کر جائین جو اُسکے بعد آنے والے ہین، تاہم بجائے واقف کے منشا کو پورا کرنے کے موجودہ
قانون کا رواج یہ ہی کہ وہ منشا پورے طور پر فوت ہو بلکہ جہان واقف کی موت کے وقت ایک ہی
اولاد رہی ہی اور واقف نے صاف لفظون مین یہ بیان کر دیا ہی کہ کل اولاد کے کام نہ آئے، بلکہ
انکے بھی آئے جو اُسکی اولاد کے بعد پیدا ہونے والے ہین، اس پر بھی واقف کے منشا کے بالکل
خلاف، قانون اس اولاد کو بھی اُسکے نفع سے محروم رکھتی ہی جو وقف کی تاریخ کے بعد پیدا ہوئی ہو"

یقیناً قانون کا یہ طرزِ عمل کہ اس اولاد کو بھی اس وقف اولاد کے نفع سے محروم رکھتا ہی
جو وقف کی تاریخ کے بعد پیدا ہوئی ہو، شریعت اسلامی کے خلاف ہی شریعت اسلام کا مسئلہ یہ ہی کہ
وقف کے منافع مین شرکت کے لئے وقف کی تاریخ مین اُس اولاد کا پیدا شدہ ہونا ضروری نہین ہی،
فتاوی عالمگیری مین جو فقہ حنفی مین معتبر ترین کتاب ہی مذکور ہی،

فانما یدخل تحت الوقف الولد الموجود یوم
وجود الغلۃ سواء کان موجوداً یوم الوقف
او وجد بعد ذلک (جلد ثانی صفحہ ۳۷۱)

وقف کے اندر وہ لڑکا داخل ہوگا جو جائداد کے
منافع کے وقت موجود ہو، خواہ وہ وقف کرتے وقت
موجود ہو یا اُسکے بعد پیدا ہوا ہو،

وصیت، غیر مولود فرزند کے حق مین جواز و عدم جواز وصیت کی نسبت اسلام کا جو قانون ہی
اسکے سمجھنے کے لئے پہلے یہ اصول ذہن نشین کر لینا چاہیے،

(۱) یہ بالکل ظاہر ہی کہ پیش کنندہ مسودہ نے جا بجا "شخص غیر مولود" کا جو لفظ استعمال کیا ہے
اسکی تشریح حسب ذیل کی ہی:

" شخص غیر مولود سے دربارۂ انتقال جائداد ایسے شخص سے مراد ہی جو جائداد کے انتقال کے وقت

بقید حیات نہو، اور دربارۂ وصیت ایسے شخص سے مراد ہی جو موصی کی موت کے وقت موجود نہو"

اِس تشریح مین شخص غیرمولود مین فرزندی کی خصوصیت ملحوظ نہین رکھی گئی ہی بلکہ فرزند و غیرفرزند سب اس مین داخل ہین، لیکن مسودۂ قانون کے بیان فائدہ وسبب مین ضمنی طور سے تصریح کردی ہی کہ اس قانون کا منشا، اولاد کی فائدہ رسانی ہی، اس بنا پر ہمکو شخص غیرمولود سے فرزند غیرمولود سمجھنا چاہیئے۔

(۲) اور یہ ظاہر ہی کہ، فرزند غیرمولود کی پیدائش باپ کی وفات کے بعد سے حمل کی مدت طبعی کے اندر ہی اندر ہوگی،

(۳) اسلام مین کم ازکم مدت حمل چھ ماہ اور زائد سے زائد دو برس متعین ہی،

اِس تفصیل کے بعد ہم وصیت بحق فرزند غیرمولود کی نسبت اسلام کے قانون کی تصریح کرتے ہین، اگر موصی وصیت کے وقت حمل کی نسبت کوئی تصریح اس امر کی نکرے کہ یہ محمول بچہ میرا ہی تو کم ازکم مدت مین جسکے اندر کوئی دوسرا حمل طبعی طور سے نہین ہوسکتا، یعنی تاریخ وصیت کے چھ مہینے کے اندر پیدا ہوجائے تو وہ اس وصیت کے مطابق جائداد کا مستحق ہوگا، اور اگر موصی نے یہ قبول کرلیا ہی اور تصریح کردی ہی کہ یہ محمول بچہ میرا ہی تو زائد سے زائد مدت حمل یعنی تاریخ وصیت سے دو برس کے اندر تک پیدا ہوجائے تو وصیت کا مستحق ہوگا، فتاوی شامی مین ہی،

وصحت للحمل وبہ ان ولد لاقل من سنۃ شہر...	اگر چھ مہینہ کے اندر بچہ پیدا ہوجائے تو وصیت صحیح ہوگی
وھیہ معتدۃ من حین الوصیۃ (جلد ۵ صفحہ ۶۴۲)	مدت وقت وصیت سے شمار ہوگی،
اقول ومثلہ لو اقرار الموصی بانہ حامل ثبتت	اسی طرح اگر موصی اقرار کرے کہ یہ عورت حاملہ ہے تو
الوصیۃ ان وضعت ما بین سنتین من یوم	وصیت ثابت ہوجائیگی، اگر تاریخ وصیت سے دو برس کے
اوصی لان وجودہ فی البطن عند الوصیۃ	اندر وضع حمل ہو کیونکہ اس کا شکم مین موجود ہونا موصی
ثبت باقرار الموصی،	کے اقرار سے ثابت ہے،

(باقی)

تقریظ وانتقاد

نقد الشعر

کلام اکبر

تنقیدی حیثیت سے اگر سید صاحب کی ظرافیانہ شاعری پر نگاہ ڈالی جائے تو اُنکے مواد ظرافت کے صرف سات عنصر ہونگے، جنکی تفصیل حسب ذیل عنوانات مین کیجاسکتی ہی،

رعایت لفظی یا ضلع جگت، دنیا مین کوئی چیز بری یا بھلی نہین ہی، ہر چیز کا محل استعمال بُرا یا بھلا ہی، ضلع جگت درحقیقت ایک بازاری چیز تھی اسلیے سنجیدہ کلام اس کا متحمل نہین ہوسکتا تھا، امیر خسرو نے اعجاز خسروی کے ذریعہ اس عالم مین اپنی پیغمبری کا لاکھ ثبوت دیا لیکن اہل ہوش وخرد کے نزدیک مقبول نہوئی، رعایت لفظی اور ضلع جگت، متاخرین بلکہ متوسطین شعراے لکھنؤ تک کا مذاق خاص رہا ہی، اکثر صرف اسی اساس پر انکی شاعری کی تمام بنیاد قائم ہوتی ہی، ان لوگون نے بڑی غلطی جو کی کہ اس کا کوئی خاص محل استعمال متعین نہین کیا، بلکہ ہر قسم کے کلام کو اس زیور سے آراستہ کرنا چاہا، یہی وجہ ہی کہ وہ اونچے طبقون مین مقبول نہین ہوا، لیکن سید صاحب نے رعایت لفظی کو صرف ظریفانہ کلام کے ساتھ مخصوص کردیا، جو اسکے لئے خاص طور پر موزون تھی، سید صاحب کے ظریفانہ کلام کے رنگ کو جابجا اسی عنصر کی آمیزش نے نہایت شوخ کردیا ہی، مثلاً گولیان دوا کی بھی ہوتی ہین اور بندوقون کی بھی، اس تجنیس سے دیکھو سید صاحب کسطرح فائدہ اُٹھاتے ہین،

گولیون کے زور سے کرتے ہین وہ دنیا کو ہضم — اس ہی بہتر اس غذا کے واسطے چورن نہین

نکلی ترقیون مین دوائے نکالئے — پلٹن نہین تو خیر رسالے نکالئے

سرا سر نور تقوی سایہ پر قربان کر آئے — یہ کیا اچھا کیا تم نے اگر زلفوں کے پس ملائے

شیخ تثلیث کی تردید تو کرتے ہنین کچھ   گھر مین بیٹھے ہوئی و الیتین پڑھا کرتے ہین،

اس رعایتِ لفظی اور تجنیس کے شوق مین بعض اوقات وہ اُردو انگریزی و فارسی الفاظ کو بھی باہم متجانس کر لیتے ہین، اور اس مین بھی ایک لطف پیدا ہو جاتا ہی، ہمبل، انگریزی مین خاکسار کو کہتے ہین،

ہر طرح ہی اب عاجزی ہم مین   اب ہمارے امام حنبل ہین

لندن مین بگڑ جاؤگے وسواس یہی ہے   تم پاس رہو میرے بڑا پاس یہی ہے

ضرورت کچھ نہ تھی اسکی کہ آپس مین بھی ہو جائے   سلام و رحمۃ اللہ کی جگہ گڈ نائٹ اور گڈ ڈے

حیاتِ مذہبی سے بھاگتا تھا کھیل گریون کا   کہان کی قوم، ہان کچھ بنگئے ہین نازنین گڈ بے

ساری دنیا ہی اسکو پیاری اکبر   کہتا ہی "کم آل" جسکو حاصل ہی کمال"

کم آل (تم سب آؤ) اور کمال کی تجنیس صوتی اس ظرافت کی بنیاد ہی،

جدت قافیہ

میر صاحب کی ظرافت کی تمامتر بنیاد اکثر اوقات جدت قافیہ پر ہوتی ہی یہی وجہ ہی کہ وہ اکثر انگریزی الفاظ کو بطور قافیہ کے استعمال کرتے ہین، مثلاً،

ہوائے طوبیٰ ہی اب سر مین نہ موج کوثر ہی اب نظر مین   ہوس اگر ہی تو بس یہی ہی کہ ہم بھی چھپ جائین پانیر مین

اک دن وہ تھا کہ دب گئے تھے لوگ دین سے   اک دن یہ ہے کہ دین دبا ہے مشین سے

خواہش جو تجھے اگر غنی بننے کی   دولت کی ہوس ہی اور دھنی بننے کی

شخصی حالت کو چھوڑ اے ہندی   کوشش لازم ہی کمپنی بننے کی

بلبل ہین آج ہم چمنستان کمپ کے   پروانہ کل بنینگے کلیسا کے لمپ کے

فکرِ بہشت و کوثر و تسنیم ہو چکی   اب پارک کا خیال ہی جیچے مین پمپ کے

رکھتے تھے جو بزرگ قدم پھونک پھونک کر   خوگر ہوئے ہین لیپ کی اسکیپ کے جمپ کے

عینک آنکھون مین منہ مین مصنوعی دانت   نیچر نے سکھا کے کر دیا جسم کو تانت

ابتک ہے وہی گرہوس حضرت کی   ہی طول امل ہنوز شیطان کی آنت

نہ نماز ہی نہ روزہ نہ زکوۃ ہی نہ حج ہے   تو خوشی پھر اسکی کیا ہی کوئی جنٹ کمی جج ہے

بعض الفاظ ایسے ہوتے ہین جو عموماً قافیہ نہین بنتے، لیکن میر صاحب اس قسم کے الفاظ کی ترکیب سے بعض موقعون پر قافیہ کا کام لیتے ہین، اسلئے اس سے نہایت ندرت اور جدت پیدا ہو جاتی ہی، مثلاً،

پنڈت بیٹھا ہے اپنی پوتھی لیکر   بنیا بیٹھا ہے موڑھ موتھی لیکر

سودا اسکو ہے جو سدھارا لندن   وہ دولت و جنس گھر مین جوتھی لیکر

مخاطب کے دعوی کی تشریح

میر صاحب کے کلام مین بعض وقت ظرافت اس طرح پیدا ہوتی ہی کہ مخاطب کے دعوے کو صحیح تسلیم کر لیتے ہین لیکن اُسکی تشریح اسطرح کر دیتے ہین کہ مدعا اُسکے بالکل مخالف ثابت ہوتا ہی، مثلاً موجودہ بیداری سید احمد خان کی کوششون کا نتیجہ خیال کیجاتی ہی، میر صاحب اسکو تسلیم کرتے ہین لیکن صرف اسقدر اس مین للّٰہیت ہی کہ لوگ اُٹھتے وقت اللہ کا نام لے دیتے ہین،

سید صاحب سکھا گئے ہین جو شعور   کہتا نہین تم سے مین کہ ہو اس سے نفور

سوتون کو جگا دیا اُنھون نے لیکن   اللہ کا نام لیکے اُٹھتا ہے ضرور

جدید تعلیم یافتہ گروہ کالج کو تمام قومی کامون کا تنہا اور واحد مرکز بتاتے ہین، میر صاحب اُنکے اس دعوی کو تسلیم کرتے ہین، لیکن اُسی طرح واحد اور ایک، جسطرح ایک بے مایہ کی ایک واحد جھونپڑی یا اندھے کی ایک لکڑی،

مسلمانون نے کالج کی بری کیا راہ پکڑی ہی   وہی تو اک ٹھکانا ہی وہی اندھے کی لکڑی ہی

جدید تہذیب کے والدادہ، بے پردگی کے حامی ہین، عورتون کو پبلک مجمع مین دیکھنے کے مشتاق ہین، انگریزی جانے بغیر گویا وہ تعلیم سے عاری ہین، میر صاحب انکے دعوی کی تشریح ان الفاظ مین کرتے ہین

حامد کی نہ تھی انگلش سے جب بیگانہ تھی
اب وہ شمع بزم ہی پہلے چراغ خانہ تھی

"شمع بزم" اور "چراغ خانہ" کی تشریح سنکر عجب نہین کہ عورتونکی بی پردگی اور انگریزی تعلیم کی مدعی چراغ پا ہو جائین

ابہام: یعنی کسی فقرہ کے دو مطلب ہون، قریب تر غیر مقصود ہو، اور بعید تر مقصود ہو،

یورپ والے جو چاہین دل مین بھر دین
جسکے سر پر جو چاہین تہمت دھر دین

بچتے رہو انکی تیزیون سے اکبر
تم کیا ہو خدا کے تین ٹکڑے کر دین

تین ٹکڑے کرنے سے قطع و برید نہین، تثلیث مراد ہی لیکن ابہام قطع و برید کا ہوتا ہی، اور یہی اس شعر کا لطف ہی

بے پردہ کل جو آئین نظر چند بی بیان
اکبر زمین مین غیرت قومی سے گڑ گیا

پوچھا جو مین نے آپکا پردہ وہ کیا ہوا
کہنے لگین کہ عقل پہ مردون کے پڑ گیا

بظاہر اس سوال کا جواب ہی کہ پردہ اسلئے نہین ہی کہ وہ مردون نے چھین لیا، لیکن اصل مقصود یہ ہی کہ مردون کی عقل پر پردہ پڑ گیا، اور انہی عورتون کا پردہ انھون نے اٹھا دیا،

لبرٹ واٹسن نے بنایا ہی نیا اک مضمون لکھا
میرا مضمون رہ گیا ڈاٹسن کا جو تھا چل گیا

قدیم شعرا کے خیالات کو دوسرے پیرایہ مین ادا کرنا: میر صاحب بعض اوقات قدیم شعراء کے خیالات کو اسطرح الٹ پلٹ کر ادا کر دیتے ہین کہ قدیم و جدید مضامین مین ایسی دلآویز مناسبت پیدا ہو جاتی ہی جس سے بیساختہ ہنسی آجاتی ہی

چو مسٹر نباشد ترا میہمان
چہ بر میز خوردن چہ بر روے خوان

بہ تحریت چیست از دین گم شدن
نے قمیص و کوٹ و پتلون و بٹن

کالج و ٹیچر و حکام ہمہ در کار اند
تا تو پاے بکف آری و کنی عہدہ پری

جدید محاورات: میر صاحب کے کلام کی ایک خصوصیت یہ بھی ہی کہ جدید محاورات جو انگریزی زبان کے اختلاط سے پیدا ہو گئے ہین، ہمارے مشرقی شاعر تو انکا استعمال عار کلام سمجھنگے، لیکن میر صاحب انہین محاورات کو پیرایہ اشعار مین اسطرح جلوہ دیتے ہین کہ ہزارون محتاط شاعرون کو ان پر قربان کر دینے کو جی چاہتا ہی،

بیٹھا رہا مین صبح سے اس در پہ شام تک
افسوس ہی ہوا نہ میسر سلام تک

ہر اک ریمارک آپکا عقرب کا نیش ہے
مجھکو بھی رنج غیر کا سینہ بھی ریش ہے

حریفون نے رپٹ لکھوائی ہی جا جا کی تھانے مین
کہ اکبر ذکر کرتا ہی خدا کا اس زمانے مین

جدت تشبیہ و استعارات: کلام مین نئی تشبیہین پیدا کرنا شاعری کی جنت کا شجر ممنوعہ ہی، عرب مین تشبیہات بالکل مادی اور سادی ہوتی تھین، ایران اگر عربی شاعری باغ و بہار بنگئی، فارسی شاعری جب ہندوستان آئی تو گو شیراز کا بلبل ہات سے نہ چھوٹا لیکن قمری اور فاختہ کی کو کو بھی اب سنائی دینے لگی، اس نے دور مخترعات مین سینکڑون چیزین نئی پیدا ہو گئی ہین لیکن ہماری قدیم شاعری کا ذخیرۂ تشبیہات ابتک وہی متروکات واندوختۂ سلف چلا آتا ہی، میر صاحب کا احسان ہی کہ انھون نے بیسیون نئی تشبیہین کلام مین پیدا کر دین، اور انسے عجیب و غریب تمثیلی استدلالات پیدا کئے،

زندگی اور قیامت مین ریلیشن سمجھو
اسکو کالج، اور اسے کانووکیشن سمجھو

آہ و فریاد سے قابو مین نہ آئیگا دل
طپش قلب کو بنگال ایجیٹیشن سمجھو

بحر ہستی کا یہی دور چلا جاتا ہے
برف کی طرح جمے بہ گئے پانی کی طرح

میدان عمل لیگ کا محدود ہی بیشک
ہان رقبۂ مجلس کی کوئی ناپ نہین ہی

ہی کوما ہی کو ما جو پڑے ہے دہر کا نامہ
جز موت کہین اسمین فل اسٹاپ نہین ہی

بعد مردن کچھ نہین یہ فلسفہ مردود ہے
قوم ہی کو دیکھئے مردہ ہی اور موجود ہے

کل مست عشق و ناز تھی ہوٹل کی ہال مین
اب ہائے ہائے کر رہی ہین اسپتال مین

دنیا اے قرار داد و آخرت ہے یہ
سن لو کہ ساز معنی اکبر کی گت ہے یہ

مطبوعات جدیدہ

(۶) **التعلیق المختار**، فقہ حنفی کے مصنف اعظم امام محمد بن حسن شیبانی کی تصنیفات مین کتاب الآثار کو خاص فضل ومزیت حاصل ہی طحاوی کے بعد مخصوص احناف کے لئے اس سے بہتر کوئی حدیث واثر کا مجموعہ نہین، فرنگی محل کے خاندان نے علوم وفنون کی جو بے شمار خدمتین انجام دی ہین، اسی سلسلہ مین حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلی ادام اللہ فیوضہ کی یہ تعلیق المختار بھی ہے جو امام محمد کی کتاب الآثار پر عربی زبان مین بحث ونقد وتعلیق ہی محشی نے علامہ ابن حجر کے مقدمہ فتح الباری کی پوری تقلید کی ہی اور آپ ی وسعت، جامعیت اور تبحر کے ساتھ کتاب الآثار کے تحشیہ وتعلیق کی خدمت انجام دی ہی، علاوہ دیگر مباحث فقہ وحدیث وتاریخ حنفیت، کتاب الآثار کے رجال کی کامل تحقیق فرماکر اس انحطاط اور یاس آفرین دور مین اگلے کارنامون کی یادگار قائم کی ہی، جزاہ اللہ عن الاسلام خیر الجزاء، حجم ۰۰ ۱صفحے،

(۷) **کلید قرآن**، مولوی انیس احمد بی-اے، رکن دینیات علی گڈھ کالج، تین برس سے متواتر سال بسال کانفرنس کے مجمعون مین قرآن مجید کی علمی دعوت پر لکچر دے رہے ہین، امسال کانفرنس مین "صحابہ کرام اور قرآن مجید" کے عنوان سے جو طویل لکچر دیا تھا، اسکو لکچرر نے تحریری صورت مین چھاپکر شائع کیا ہی، مضمون نہایت تفحص اور تلاش سے لکھا گیا ہی لیکن ہم اپنے دوست کو مشورہ دینگے کہ آیات قرآنی کے استنباط اور قابل ماخذ کتب کے انتخاب مین اس سے زیادہ احتیاط سے کام لینگے، کاغذ وطبع اعلیٰ، کتاب خود مصنف سے ملیگی

(۸) **پندنامۂ کاظم**، مولوی ابو ناظم محمد کاظم سراج گنجی نے پند وموعظت مین ایک فارسی مثنوی لکھی ہی مفہوم ومعنی کی خوبی ولطافت مین شبہہ نہین، طرز بیان نہایت سادہ، لیکن مولانائے رومی کے غلط تتبع مین دیگر اخلاقی مثنوی گویون کی طرح الفاظ اور زبان کی صحت سے اسمین بھی قطع نظر کرلیا گیا ہی، قیمت ۸

مجلد اول | ماہ ذیقعدہ ۱۳۳۴ھ مطابق ستمبر ۱۹۱۶ء | عدد سوم

فہرس مضامین